مقالات

ایمان والدین مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

• شیخ محمد بن علوی المالکی • مفتی محمد خان قادری
• مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

عالمی دعوت اسلامیہ
۱- فصیح روڈ اسلامیہ پارک لاہور

مقالات

ایمانِ والدینِ مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شیخ محمد علوی مالکی

مفتی محمد خان قادری

مولانا محمد ابراھیم میر سیالکوٹی

عالمی دعوتِ اسلامیہ

۱۔ فصیح روڈ۔ اسلامیہ پارک لاہور پاکستان

پیش لفظ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت وعقیدت ایمان کی جان ہے۔ اس میں کمی ایمان کو کمزور اور اس میں اضافہ ایمان کو مضبوط و طاقتور بنا دیتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ ایسا عقیدہ و عمل بنائے جس سے اس عقیدت و محبت میں اضافہ ہو اور یہ محبت کا چشمہ ادب و احترام سے پھوٹتا ہے۔ آدمی جتنا ادب و احترام کرے گا اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت نصیب ہو گی اور پھر صرف آپ کی ذات کا ادب نہیں بلکہ آپ کی طرف منسوب ہر شے کا احترام لازمی ہے مثلاً آپ کے اہلِ بیت، آپ کے دوست و رفقاء، آپ کے رشتہ دار خصوصاً آپ کے والدین کریمین کا ادب و احترام ایک مسلمان کا اہم فریضہ ہے۔

بعض لوگ اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ان ذواتِ مبارکہ پر طعن کرتے ہوئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ نعوذ باللہ وہ ایمان پر نہ تھے۔ اس سے ایمان کے ضیاع کا خطرہ ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ایسے مسائل میں ادب و احترام کے پیشِ نظر خاموشی اختیار کی جاتی مگر افسوس کہ کچھ لوگ اس مسئلہ کی آڑ میں حضور علیہ السلام کی بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اس لیے لازم تھا کہ ایمان کی حفاظت کے لیے اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے۔ ہر دور میں اس مسئلہ پر علماء نے کام کیا خصوصاً امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر سات رسائل تصنیف فرمائے ان کے اردو ترجمے کا

ارادہ رکھتا ہوں۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ دعا کریں کہ اس کی توفیق نصیب ہو۔
اس سلسلے میں زیرِ نظر مقالہ ہماری ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔ شاید رحمۃ للعلمین
آقا کے والدین کریمین کی بارگاہِ اقدس سے اِسے شرفِ قبولیت عطا ہو جائے۔

نوٹ: امام سیوطی کے مذکورہ سات رسائل کا ترجمہ ہمارے محترم بزرگ
علامہ صائم چشتی صاحب کر رہے ہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ تکمیل
ہوتے ہی عالمی دعوتِ اسلامیہ انہیں شائع کر دے گی۔

محمد خان قادری

جامعہ رحمانیہ، شادمان لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کے بارے میں چار اقوال ہیں :

۱ - اُن کی موت دینِ ابراہیمی پر ہوئی -

۲ - اُن کی موت کفر پر ہوئی - (نعوذ باللہ)

۳ - وہ دینِ فطرت پر تھے -

۴ - وہ فوت تو دینِ فطرت پر ہوئے تھے مگر حضور علیہ السلام نے اُن کو بطور معجزہ زندہ فرما کر اسلام کی دولت سے بھی نوازا تاکہ مقامِ صحابیت پر بھی فائز ہو جائیں -

مندرجہ بالا اقوال میں سے دوسرا قول علماء نے رد فرمایا ہے - باقی تین اقوال علماء کے ہاں مقبول ہیں - ان میں سے جو بھی لیا جائے ، کوئی حرج نہیں کیونکہ ان صورتوں میں وہ جنتی کہلائیں گے

قرآن پاک کی بہت سی نصوص اور متعدد احادیث مبارکہ اس پر شاہد ہیں کہ آپؐ کے والدین کریمین اللہ تعالیٰ کے ماننے والے تھے - ہم ان میں سے بعض کا تذکرہ کرتے ہیں :

۱ - قرآن اور آپ کا پاکیزہ رحموں میں منتقل ہونا

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے :

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ

(الشعراء : ۲٦، ۲۱۹-۲۱۷)

آپ توکّل اسی ذات پر کریں جو غالب ورحیم ہے۔ وہ (اللہ) آپ کو دیکھتا ہے جب آپ قیام کرتے ہیں اور آپ کا ساجدین میں گردش کرنا بھی ملاحظہ کرتا ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سیّدنا عبداللہ ابن عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اراد "تقلبك" فی اصلاب الانبیاء من نبی الیٰ نبی حتی اخرجتك فی ھذہ الامۃ۔ (الخازن : ۵، ۱۰۷)

یہاں گردش سے مراد انبیاء علیہم السلام کی مبارک پشتوں میں یکے بعد دیگرے منتقل ہونا ہے۔ یہاں تک کہ آپ اس امّت میں مبعوث ہوئے۔

سیّدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک اور تفسیر ان الفاظ میں منقول ہے:

ای "تقلبك" من الاصلاب الطاھرۃ من أب الیٰ أب الیٰ ان جعلك نبیّا۔

(مسالک الحنفاء : ٤٠)

یعنی گردش سے مراد پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ پشتوں کیطرف منتقل ہونا ہے۔

ساجدین سے مُراد مؤمنین ہیں

آیتِ مبارکہ میں مفسّرین نے ساجدینَ سے مراد مؤمنینَ لیے ہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت آدم وحضرت حوّا علیہما السلام سے حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ علیہما السلام تک جن جن کے رحموں اور پشتوں میں جلوہ افروز ہوئے وہ تمام کے تمام صاحبِ ایمان ہیں۔

تفسیر جمل میں ہے:

ای یراک متقلباً فی اصلاب وارحام المؤمنین من لدن آدم وحوا الی عبداللہ وآمنة فجمیع اصولہ رجالاً و نساءً مؤمنون۔

(الجمل: ۳، ۲۹۶)

اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت آدم وحوا سے لے کر حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ تک جن جن مؤمن مردوں اور عورتوں کے رحموں اور پشتوں میں آپ منتقل ہوئے ان کو آپ کا رب ملاحظہ کر رہا ہے پس آپ کے تمام آباء و اجداد خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں تمام اہل ایمان میں سے ہیں۔

صاوی علی الجلالین میں ہے:

المراد بالساجدین المؤمنون والمعنی یراک متقلباً فی اصلاب وارحام المؤمنین من لدن ادم الی عبداللہ فاصولہ جمیعاً مؤمنون۔

(صاوی: ۳، ۲۸۷)

ساجدین سے مراد اہل ایمان ہیں اور آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک آپ نے جن مؤمنین کے رحموں اور پشتوں میں گردش کی اللہ تعالیٰ نے اسے ملاحظہ فرمایا۔ (اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آپ کے تمام آباء مؤمن تھے۔

امام فخر الدین رازی اسی آیت سے اس بات پر کہ، حضور علیہ السلام کے والدین شریفین اہل ایمان تھے، استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان اباء الانبیاء ما کانوا کفاراً یدل علیہ قولہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی: اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ

تعالیٰ : اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ قِیْلَ مَعْنَاہُ ینتقل نورہ من ساجدٍ الیٰ ساجدٍ (تفسیر کبیر)

فِی السّٰجِدِیْنَ اس بات کا ثبوت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے آباء اللہ تعالیٰ کے منکر نہیں ہو سکتے۔

۲۔ قرآن اور آپ کے والدِ گرامی کی قسم

قرآن مجید نے جہاں ذاتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی ہے وہاں اس نے آپ کے والدِ گرامی کی بھی قسم کھائی ہے اور قرآن کا یہ قسم کھانا آپ کے نسب کی طہارت و کرامت پر شاہد ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَ وَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ

قسم ہے والد کی اور قسم ہے مولود کی۔ (البلد : ۹۰، ۳)

اِس آیۂ کریمہ میں ہر اُس والدِ گرامی کے بارے میں قسم کھائی گئی ہے جس کے صلب میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا ہوا حضور علیہ السلام کے دادا حضرت عبد المطلب اور پھر آپ کے والدِ ماجد حضرت عبد اللہ کی پشتِ مبارک میں مستقر ہوا اور پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ پاک سے صورتِ انسانی میں ظہور پذیر ہوا۔ گویا وہ تمام افراد جو نسبِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں شامل ہیں، مورد قسم ٹھہرائے گئے۔

قرآن مجید نے والد کی قسم کھانے کے بعد اس مولود کی قسم وَمَا وَلَدَ کہکر کھائی جس کے تصدق سے تمام سلسلۂ نسب لائقِ قسم گردانا گیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیہ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں :

المراد بالوالد آدم و ابراهیم علیهما السلام او ای والد کان "وَمَا وَلَدَ" محمد صلی الله علیه وآله وسلم.

(التفسیر المظهری: ۱۰، ۲۶۴)

اس آیت میں لفظ "والد" سے مراد یا تو حضرت آدم و ابراہیم علیہما السلام ہیں یا ہر والد مراد ہے اور وَمَا وَلَدَ سے مراد نبیٔ اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔

۲۔ قرآن نے آپ کے نسب کو تمام انساب سے اعلیٰ قرار دیا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(التوبۃ: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس وہ رسول آئے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت خواہاں ایمان والوں کے لیے نرم خو (اور) بے حد رحیم ہیں۔

مولائے کائنات سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ اس آیت کی تلاوت میں "اَنْفُسِكُمْ" کی بجائے "اَنْفَسِكُمْ" "فا" کی زبر کے ساتھ اسم تفضیل کے طور پر پڑھا۔

قَرَءَ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِكُمْ" بفتح الفاء وقال انا انفسكم نسبًا

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اَنْفُسِکُمْ کو فاء کی زبر کے ساتھ تلاوت کیا اور فرمایا کہ میں حسب و نسب میں تم سب سے زیادہ پاکیزہ ہوں۔ میرے آباء و اجداد میں حضرت آدم سے لیکر

وصهرًا و حسبًا لیس	حضرت عبداللہ تک کسی نے
من ابائی من لدن آدم	بدکاری کا ارتکاب نہیں کیا۔
سفاح۔	

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طہارتِ نسبی پر مذکورہ بالا ارشادِ قرآنی کی توثیق و تصدیق کی صورت میں صراحت کے ساتھ آپ کے حسب و نسب کو بنی آدم میں سب سے افضل اور اعلیٰ قرار دیا اور یہ وضاحت فرمادی کہ میرے محبوب کے تمام آباء و اجداد سفاحت یعنی بدکاری سے پاک تھے۔

ابنِ مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی قراءت کے بارے میں نقل کیا ہے۔

احادیث مبارکہ

خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات عالیہ کے ذریعے اپنے نسب کی کرامت و طہارت کی نشاندہی بھی فرمادی تاکہ کسی بھی شخص کو آپ کے نسب کے بارے میں کسی بھی بدگمانی کی جرأت نہ ہو۔

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

ان اللہ خلق الخلق فجعلنی	جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا
فی خیر فرقتھم ثم خیر	فرمایا تو مجھ کو ان میں سے بہترین گروہ
القبائل فجعلنی فی خیر ثم	میں شامل فرمایا۔ پھر قبائل بنائے تو
خیر البیوت فجعلنی فی خیر	مجھے بہترین قبیلہ عطا فرمایا۔ جب
بیوتھم فانا خیرھم نفسًا	گھرانے بنائے تو مجھے اُن میں سے
و خیرھم بیتًا۔	اعلیٰ خاندان عطا فرمایا: میں از روئے

(ترمذی : ۲، ۲۲۳) ذات اور خاندان کے سب سے افضل

ہوں۔

۲۔ دوسرے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لم ازل انقل من اصلاب الطاہرین الی ارحام الطاہرات۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل فرمایا۔

۳۔ مسند بزار میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ قریش میں سے کچھ لوگ میری پھوپھی —— حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کی خدمت میں آئے اور انہوں نے اپنے حسب و نسب پر تفاخر کیا۔
حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا نسب سب لوگوں سے اعلیٰ کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ہم میں اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔
یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک نسب ہی سب سے اعلیٰ ہو سکتا ہے نہ کہ تمہارا۔ اس پر وہ تمام لوگ غصے میں آ گئے اور کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب تو ایسے ہے جیسے کوئی کھجور کا پودا کسی کوڑے کرکٹ سے اُگ آئے۔
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہ تمام واقعہ حضور علیہ السلام سے عرض کیا تو

فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و امر بلالا فنادی فی الناس فقام علی المنبر

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ تمام لوگوں کو جمع کرو۔ اس کے بعد آپ اپنے مقدس منبر پر جلوہ افروز ہوئے

اور لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا :

ایھا الناس ! من انا ؟ قالوا

اے لوگو ! میں کون ہوں ؟ انہوں نے

انت رسول الله! — عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے بعد فرمایا:

انسبونی! فقالوا محمد ابن عبد الله بن عبد المطلب۔ — میرا نسب بیان کرو۔ انہوں نے نسب بیان کرتے ہوئے کہا آپ حضرت عبداللہ کے بیٹے اور حضرت عبد المطلب کے پوتے ہیں۔

اس پر آپ نے فرمایا:

فما بال اقوام یبتذلون اصلی فو الله انی لافضلهم اصلاً وخیرهم موضعاً۔ — اس قوم کا کیا حال ہوگا جو میرے نسب کو کم تصور کرتی ہے انہیں علم ہونا چاہیئے کہ میں نسب کے لحاظ سے ان سے افضل ہوں۔

(مسالک الحنفاء بحوالہ مسند بزار: ۱۳۲)

ترمذی شریف کے الفاظ یہ ہیں:

فانا خیرهم نسباً وخیرهم بیتاً۔ (الترمذی: ۲، ۲۲۳) — میں نسب اور خاندان کے لحاظ سے سب سے بہتر ہوں۔

۴۔ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی اور اپنے خاندان کی فضیلت کے بارے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا:

قلبت مشارق الارض و مغاربها فلم ار رجلاً افضل من محمد علیه الصلوٰة و السلام ولم ار بنی اب — میں نے زمین کے تمام گوشے مشارق و مغارب میں گھوم کر دیکھے ہیں لیکن کوئی شخص آپ سے افضل نظر نہیں آیا اور نہ ہی کوئی خاندان بنی ہاشم کے خاندان سے

افضل من بنی هاشم۔ بڑھ کر افضل دکھائی دیا۔

(مشکوٰۃ المصابیح : ۵۱۱)

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزِ دیگری

والدین شریفین کا زندہ ہوکر اسلام لانا

بعض روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ کے والدین کریمین موت کے بعد دوبارہ زندہ ہوکر آپ کی ذات اقدس پر ایمان لائے اور ان کی یہ زندگی آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات میں سے ہے۔

امام طبرانی نے "المعجم الاوسط" میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "حجون قبرستان" میں تشریف لے گئے۔

نزل الحجون حزینا فاقام بها ماشاء الله عزوجل ثم رجع مسرورا

اور کیفیت یہ تھی کہ آپ نہایت ہی پریشان اور غمگین تھے وہاں اللہ تعالےٰ کی مشیت کے مطابق آپ ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد خوشی کی حالت میں آپ واپس ہمارے پاس تشریف لائے۔

میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ پہلے غمگین تھے مگر واپسی پر نہایت خوش نظر آرہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سألت ربي فاحيالي امي فامنت بي ثم ردها۔

میں نے اپنے رب کریم کے حضور اپنی والدہ ماجدہ کے بارے میں عرض کیا

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو میری خاطر زندہ فرمایا۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں اور اس کے بعد ان کو برزخ کی طرف لوٹا دیا گیا۔

(نور الھدیٰ : ۲۴ بحوالہ المعجم الاوسط)

حافظ ابو بکر خطیب بغدادی نے "السابق و اللاحق" میں اور حافظ عمر بن عثمان نے کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس واقعہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب ہمارے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف لائے تو آپ مجھے ساتھ لے کر حجون کے قبرستان میں رونق افروز ہوئے۔ آپ نہایت ہی غمگین تھے۔ آپ نے مجھے ٹھہرنے کا حکم دیا۔ میں اونٹ کے کجاوے کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گئی۔

فمكث عني طويلاً ثم انهٗ عاد اليّ وهو فرح متبسم فقلت لها بابي و امي يا رسول الله نزلت من عندی انت باك حزيناً فبكيت ببكاءك ثم عدت اليّ وانت متبسم فمماذا يارسول الله قال ذهبت الى قبر امي فسالت الله ان يحيها فاحياها فامنت بي ثم ردها۔

(السابق واللاحق : ۲۷۳ مطبوعہ ریاض)

کافی دیر کے بعد آپ واپس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ نہایت ہی خوش و خرم اور مسکرا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ میرے پاس سے غمگین حالت میں تشریف لے گئے تھے۔ میں بھی آپ کے رونے کی وجہ سے روتی رہی۔ اب آپ بہت ہی خوش ہیں۔ اس خوشی کا سبب کیا ہے! آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبرِ انور کی زیارت کے لیے گیا تھا اور میں نے باری تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں سوال کیا کہ باری تعالیٰ

میری والدہ کو زندہ فرما ! اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمادیا اور وہ مجھ پر ایمان لائیں اور دوبارہ تشریف لے گئیں ۔

ایک مغالطہ کا ازالہ

اگر اس موقع پر یہ سوال کیا جائے کہ سابقہ گفتگو میں جن آیات اور احادیث کا ذکر آیا ہے ان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کے والدین فوت ہونے سے پہلے ہی موحد مسلمان تھے جب کہ مذکورہ روایات واضح طور پر نشاندہی کر رہی ہیں کہ پہلے مسلمان نہ تھے بلکہ دوبارہ زندہ ہو کر اسلام لائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے والدین واقعتاً پہلے ہی مسلمان تھے ۔ اب دوبارہ زندہ ہو کر اسلام اس لیے نہیں لائے کہ وہ مسلمان نہیں تھے بلکہ مقصد یہ تھا کہ وہ درجۂ صحابیت پر فائز ہو جائیں ۔

امام عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں :

والجمع ان الاحیاء کرامۃً لہما یضاعف ثوابہما ۔ (النبراس : ۵۲۷)

ان روایات کے درمیان موافقت اس طرح ہے کہ ان کو زندہ اسلام لانے کے لیے نہیں کیا گیا تھا فقط اس لیے کہ ان کی عزت و کرامت کا اظہار اور ان کے درجات میں مزید اضافہ ہوا ۔

مذکورہ بالا آیات اور احادیث اس بات پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں کہ آپ کے آباء و اجداد میں کوئی کافر و مشرک نہیں ۔ کیونکہ کافر و مشرک کو اللہ تعالیٰ نے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فرما کر پلید قرار دیا ہے ۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو آپ اپنے تمام آباء کو پاکیزہ کس طرح فرما سکتے تھے ؟

ائمۂ امت کے اقوال

یہاں ہم علماءِ امت میں سے بعض مسلّمہ شخصیات کی تصریحات کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ آپ کے والدین کریمین کو مسلمان تصور کرنا چاہیئے۔

١۔ امام فخر الدین رازی (جو کہ تمام مفسّرین کے سرتاج ہیں) آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ففیہ دلالۃ ان جمیع اٰباءہ صلی اللہ علیہ وسلم کانوا مسلمین (تفسیر کبیر)	یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ آپ کے تمام آباء و اجدادِ گرامی مسلمان تھے۔

٢۔ حافظ ابن حجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان اٰباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم و امھاتہ الی اٰدم و حوا لیس فیھم کافر لان لا یقال فی حقہ طاھر بل ھو نجس۔ (افضل القریٰ)	آپ کے آباء و امّھات حضرت آدم و حوا تک تمام کے تمام مسلمان ہیں کافر نہیں۔ کیونکہ کافر نجس ہوتے ہیں طاہر نہیں ہوتے۔ (حالانکہ کتاب و سنت نے آپ کے آباؤ و اجداد کو طاہر قرار دیا ہے)۔

٣۔ مشہور مفسّرِ قرآن امام قرطبی حضور علیہ الصلوۃ والسّلام کے خصائصِ مبارکہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

لیس احیاءھما وایمانھما یمتنع عقلاً ولا شرعًا فقد ورد فی الکتٰب العزیز	آپ کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا نہ عقلاً ناممکن ہے نہ شرعًا کیونکہ قرآن حکیم نے متعدد مواقع پر مُردوں

احیاء قتیل بنی اسرائیل واخبارہ بقاتلہ وکان عیسیٰ علیہ السلام یحیی الموتی وکذلک نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احیاء اللہ تعالیٰ علی یدیہ جماعۃ من الموتیٰ واذا ثبت ھذا فلا یمنع ایمانھما بعد احیاءھما فیکون ذلک زیادۃً فی کرامتہ و فضیلتہ۔

(التذکرہ للقرطبی : ۱، ۲۵)

کا زندہ ہونا بیان کیا ہے ۔ مثلاً بنی اسرائیل کے مقتول کا زندہ ہونا اور اپنے قاتل کے بارے میں تبلانا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا بطور معجزہ مُردوں کو زندہ کرنا، اسی طرح احادیث میں ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں موجود ہے کہ آپ نے بہت سے مُردوں کو زندہ فرمایا۔

جب تمام باتیں ثابت ہیں تو پھر آپ کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے کو تسلیم کر لینا چاہیے بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت وفضیلت ہے۔

۴ - امام زرقانی نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اذا سئلت عنھما فقل ھما ناجیان فی الجنۃ۔

(زرقانی علی المواہب : ۱، ۱۸۶)

اے مسلمان ! جب کوئی تجھ سے حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کے بارے میں پوچھے تو جواباً کہہ کہ وہ تو اہل جنت میں سے ہیں۔

۵ - امام جلال الدین سیوطی نے اس موضوع پر مستقل سات کتابیں لکھی ہیں جس میں ثابت کیا ہے کہ آپ کے والدین جنتی ہیں، ان کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱ - مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲ - الدرج المنیفۃ فی الآباء الشریفۃ۔

۳ - المقال السندسية فی النسبة المصطفویة

۴ - التعظیم والمنة فی أن أبوی رسول الله صلی الله علیه وآلہ وسلم فی الجنة۔

۵ - نشر العالمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین۔

۶ - السبل الجلیة فی الاباء العلیة۔

۷ - الفوائد الکامنه فی ایمان السیدة آمنة۔

۶ - امام شامی (جن کا فتوی تمام امت مسلمہ کے ہاں مقبول ہے) لکھتے ہیں:

الا تری ان نبینا صلی الله علیه وسلم قد اکرمه الله تعالیٰ بحیاة ابویه له حتی امنا به کما فی الحدیث صححه القرطبی و ابن ناصر الدین دمشقی بالایمان بعد علی خلاف القاعدة اکرامًا لنبیهم صلی الله علیه وآله وسلم۔	حدیث میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین (بھی) بطور معجزہ ایمان لائے۔ امام قرطبی، حافظ ناصر الدین دمشقی جیسے مسلمہ لوگوں نے مذکورہ حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور یہ تمام بطور خرقِ عادت فقط حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکرام کے پیشِ نظر ہوا۔

(فتاوٰے شامی: ۱: ۲۹۸)

۷ - ابن نجیم "الاشباہ والنظائر" میں لکھتے ہیں:

ومن مات علی الکفر ابیح لعنه الا والدی رسول الله صلی الله علیه و	ہر فوت شدہ کافر پر لعنت کرنا جائز ہے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین چونکہ زندہ ہو کر اسلام لے

آلہ وسلم لثبوت ان اللہ تعالیٰ احیاھما حتی امنا بہ۔

آئے لہٰذا ان کے بارے میں جائز نہیں

(الاشباہ والنظائر: ۴۵۳)

۸۔ قاضی ابوبکر ابن العربی سے کسی سائل نے ایسے شخص کے بارے میں یہ سوال کیا کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ وہ دوزخ میں ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا:

انہ ملعون لقولہ تعالیٰ "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ۝" ولا اذی اعظم من ان یقال ابویہ فی النار۔

(روح المعانی)

وہ شخص لعنتی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے پیش نظر کہ "وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور اُن کے لیے رُسوا کُن عذاب ہے۔" اور کسی کے والدین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ آگ میں ہیں اس سے بڑھ کر اذیت نہیں ہو سکتی۔

۹۔ علامہ آلوسی وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیۡنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والاستدلال علی ایمان ابویہ صلی اللہ علیہ وسلم کما ذھب الیہ کثیر من اجلۃ اھل السنۃ و انا اخشی الکفر علی من یقول فیھما رضی اللہ عنھما علی

اکثر اکابر اہل سنت نے اس آیت سے آپ کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے (جو درست ہے) ملا علی قاری کی ناک خاک آلود ہو، میں اس شخص کے بارے میں ڈرتا ہوں جو آپ کے والدین کے کفر کا قائل ہے کیونکہ

رغم انف علی القاری۔ کہیں وہ خود کافر نہ ہو جائے۔

(روح المعانی ۲ : ۴۴۲)

۱۰۔ امام ناصر الدین ابن المنیر مالکی اپنی تصنیف "المقتفیٰ فی شرف المصطفیٰ" میں تحریر کرتے ہیں :

فی الحدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا اللہ تعالیٰ ان یحیی لہ ابویہ ناحیاھما و امنابہ وصدقا و ماتا مؤمنین۔

(نشر العالمین : ۵۷)

حدیث میں موجود ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی بارگاہ میں دعاء کی جس پر آپ کے والدین نے زندہ ہو کر ایمان قبول کیا اور دونوں نے تصدیق کی اور ایمان کی حالت میں رخصت ہوئے۔

۱۱۔ صاحب تاریخ الخمیس نے امت کے اکثر اکابر کا یہی مسلک قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

و یذھب جمع کثیر من الائمۃ الاعلام الی ان ابوی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ناجیان محکوم لھما بالنجاۃ فی الاخرۃ و ھم اعلم الناس باقوال خالفھم۔ (تاریخ الخمیس : ۱، ۳۰۱)

اکثر ائمہ اور اکابر کا مسلک یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین آخرت میں نجات پائیں گے اور اگر کوئی اس کے خلاف قول ہے بھی تو یہ لوگ اسے بہتر جانتے ہیں۔

۱۲۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اس مسئلہ پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے اسلام کا معاملہ متقدمین پر

مستور تھا اور متأخرین پر ظاہر کیا گیا۔

و اما متأخرین پس تحقیق اثبات کردہ اند اسلام والدین بلکہ تمام آباء و امہات آنحضرت را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا آدم علیہ السلام و ایں علم گویا مستور بود از متقدمین پس کشف کرد آنرا حق تعالیٰ بر متاخرین واللہ یختص برحمتہ من یشاء بما شاء من فضلہ۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱، ۷۱۷۔۷۱۸)

مگر متاخرین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے اسلام کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ آدم علیہ السلام تک حضور علیہ السلام کے تمام آباء و امہات کے اسلام کا اثبات کیا ہے۔ گویا یہ علم متقدمین پر مستور رہا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے متأخرین پر ظاہر کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے۔ اور اپنے فضل میں سے جو کچھ چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔

۱۳۔ عارفِ کامل سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضور علیہ السلام کے والدین کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب تحریر فرمایا۔ سوال وجواب دونوں ملاحظہ ہوں:

سوال: حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اسلام پر فوت ہوئے یا کہ نہیں؟ اگر اسلام پر نہیں تو کس پیغمبر صاحب کے دین پر تھے؟؟

آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کا ایمان ثابت کرتے ہوئے فرمایا:

"اثباتِ اسلام کے تین طریقے ہیں:

اوّل یہ کہ والدین شریفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دینِ ابراہیم خلیل اللہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تھے۔

دوم یہ کہ دونوں صاحب "زمانۂ فترت" میں تھے نہ کہ زمانۂ نبوت میں، یعنی ان کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔

تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعاء سے آپ کے والدین شریفین کو زندہ کیا اور وہ اسلام لائے۔ چنانچہ احادیث میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارگاہِ ایزدی میں سوال کیا کہ الٰہی! میرے والدین کو زندہ فرما کر مشرف بہ اسلام کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سوال منظور فرما کر آپ کے والدین کو زندہ فرما کر مشرف بہ اسلام کیا۔ اگرچہ بعض احادیث میں اس کے خلاف بھی تصریح معلوم ہوتی ہے۔ اور اس حدیث کی علماء متقدمین نے تضعیف بھی کی ہے۔ لیکن متاخرین محققین نے "حدیث احیاء" کی تصحیح وتحسین کئی طرح سے فرمائی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "حدیث احیاء" ان احادیث سے جن کو متقدمین محدثین نے روایت کیا ہے، متاخر ہے۔

گویا کہ یہ علم متقدمین میں سے ایک گونہ پوشیدہ و مستور تھا اور متاخرین پر اللہ تعالیٰ نے کھول دیا۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء من فضلہ۔

(فتاوٰے مہریہ: ۱۲)

بعض مغالطوں کا ازالہ

اس مسئلے میں منکرین کی طرف سے بعض سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔ اس لئے اب ہم ان سوالات کے جوابات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

سوال ۱: مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا

این ابی یا رسول اللہ ؟	یا رسول اللہ میرا باپ کہاں ہے ؟
فقال فی النار۔ فلما قفا	آپ نے فرمایا جہنم میں! جب وہ
دعاہ فقال ان ابی و	واپس لوٹا تو آپ نے دوبارہ بلا کر فرمایا
اباک فی النار۔ (المسلم)	تیرا اور میرا باپ جہنم میں ہیں۔

اس روایت میں واضح طور پر جب موجود ہے کہ آپ کے والد آگ میں ہیں تو اس کے بعد ان کے ایمان کا عقیدہ کیسے رکھا جا سکتا ہے؟

جواب: ائمہ محدثین نے اس روایت کے مختلف جواب دیئے ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کا تذکرہ یہاں کرتے ہیں:

۱۔ اس روایت میں "حماد" راوی نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے تصرف سے کام لیا ہے۔ کیونکہ یہی روایت "معمر" اور دیگر رواۃ سے بھی مروی ہے لیکن اس میں یہ الفاظ ہی نہیں۔ حالانکہ معمر، حماد سے زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔

امام جلال الدین سیوطیؒ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان ھذہ اللفظۃ وھی	روایت کے یہ الفاظ "ان ابی
قولہ "ان ابی واباک	واباک فی النار" پر تمام
فی النار" لم یتفق علی	راوی متفق نہیں ہیں۔ ہاں ان الفاظ

ذکرها الرواة وانما ذکرها
حماد ابن سلمة عن ثابت
عن انس وهی الطریق
التی رواه مسلم منها و
قد خالفة معمر عن
ثابت فلم یذکر "ان ابی
و اباك فی النار" اذا
مررت بقبر کافر فبشره
بالنار۔
وهذا اللفظ لا دلالة فیه
علی والده صلی الله علیه وسلم
بامر البتة وهو اثبت
من حیث الروایة فان
معمرا اثبت من حماد
فان حمادا تکلم فی حفظه
و وقع فی احادیثه مناکیر
ذکروا ان ربیبه دسها فی
کتبه وکان حماد لا یحفظه
فحدث بها فوهم فیها
و اما معمر فلم یتکلم فی
حفظه ولا استنکر شئی من حدیثه۔

کو صرف حماد نے روایت کیا اور امام
مسلم نے اسی راوی کے حوالے
سے ان الفاظ کو نقل کیا ہے۔ معمر
سے یہی روایت مروی ہے لیکن
انہوں نے یہ الفاظ ذکر نہیں کئے۔
بلکہ اس کی جگہ یہ الفاظ ہیں: "اذا
مررت بقبر کافر فبشرہ
بالنار" ان الفاظ میں کہیں بھی
آپ کے والد گرامی کا تذکرہ نہیں۔
حالانکہ یہ روایت سابقہ روایت
سے محفوظ تر ہے۔ کیونکہ معمر حماد
سے کہیں احفظ ہے اور اس پر
واضح شہادت یہ ہے کہ حماد کے
حفظ کے بارے میں لوگوں نے کلام
کیا ہے اور اس سے مروی بہت سی
احادیث منکر ہیں اور محدثین نے
تصریح کی ہے کہ اس کے پروردہ
بیٹے نے اس کی کتب کو خلط ملط
کر دیا تھا۔ اب حماد جب روایت کرتے
تو اس میں وہم کا شکار ہو جاتے تھے۔
رہے معمر تو ان میں یہ تمام باتیں نہیں

(مسالک الحنفاء، ۱۴۶) نہ تو ان کے حافظے کے بارے میں کلام ہے اور نہ ہی کوئی منکر روایت ان سے مروی ہے۔

یعنی حضرت معمر سے مروی روایت میں یہ الفاظ نہیں بلکہ اس کی جگہ دیگر الفاظ موجود ہیں اور وہ الفاظ یہ ہیں: "اذا مررت بقبر کافر فبشرہ بالنار"۔ اور حضرت معمر سے مروی الفاظ کی تائید حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو مسند بزار، طبرانی، بیہقی اور ابنِ ماجہ نے مختلف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان کتب میں روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ان ابی کان یصل الرحم فاین ھو؟ قال فی النار۔ فقال یا رسول اللہ فاین ابوک؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیثما مررت بقبر مشرک فبشرہ بالنار۔

ایک اعرابی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ میرا والد صلہ رحمی کیا کرتا تھا۔ اب وہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا آگ میں۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے والد کہاں ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ جب بھی تیرا گزر کسی مشرک کی قبر سے ہو تو اسے آگ کی بشارت دے۔

ابنِ ماجہ کی روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ اس اعرابی نے اسلام قبول کر لیا

اور اسلام لانے کے بعد کہا کرتے تھے کہ کاش میں آپؐ سے یہ سوال نہ کرتا۔ کیونکہ سوال کر کے یہ ذمّہ داری لی ہے۔

لقد کلفنی رسول اللّٰہ	میں نے اپنے آپ کو تکلیف میں
صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم	مبتلا کر لیا ہے کہ جب بھی میں کسی
تعبًا ما مررت لقبر	کافر کی قبر کے پاس سے گزروں تو
کافر الا لبشرته بالنار۔	اسے جہنّم کے بارے میں اطلاع
(ابن ماجہ)	دوں۔

یعنی اگر میں سوال نہ کرتا تو ہر کافر کی قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے یہ جملہ کہنا لازمی نہ تھا، مگر اب چونکہ میرے آقا نے ارشاد فرما دیا ہے لہٰذا مجھ پر لازم ہو گیا ہے کہ جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزروں گا تو یہ جملہ کہوں گا تاکہ آقا کے ارشاد پر عمل ہو۔

۲۔ یہاں اَبؑ سے مراد آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ نہیں بلکہ ابو لہب وغیرہ ہیں جو کہ آپ کے چچا ہیں۔ چونکہ ابؑ کا اطلاق چچا پر بھی ہوتا ہے۔ اس لیے آپؐ نے یہاں ابؑ کا لفظ استعمال فرمایا۔ قرآن و حدیث میں لفظ ابؑ چچا کے لیے استعمال ہوا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ	اس وقت کو یاد کیجیے، جب حضرت
مِنْ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ	یعقوبؑ نے فرمایا میرے بیٹو تم میرے
اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ	بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں
اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ	نے عرض کیا ہم آپ کے الٰہ اور آپ
اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ	کے آباء حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ

لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ٥	واسحقؑ کے خدا کی عبادت کریں گے۔
(البقرہ : ۲، ۱۳۳)	اور ہم اسی کی طاعت بجالانے والے ہیں۔

اس آیت میں چچا (اسماعیل علیہ السلام) کو "اَبٌ" کہا گیا ہے۔ امام رازی اسی طرف متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فسمّوا اسمٰعیل ابًا لہ مع انہ کان عمًّا لہ۔	انہوں نے حضرت اسماعیل کو اَبٌ کہا حالانکہ وہ آپ کے چچا تھے۔

(تفسیر کبیر : ۲۴، ۱۷۴)

ترمذی شریف میں سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عم الرجل صنو ابیہ۔	آدمی کا چچا بمنزلہ باپ ہی کے ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر آپؐ نے اپنے چچا عباسؓ کے بارے میں فرمایا:

ردّوا علیّ ابی۔	مجھے میرا باپ (چچا عباسؓ) لوٹا دو۔

(تفسیر کبیر : ۲۴، ۱۷۴)

مسلم شریف کی روایت میں لفظ اَبٌ سے چچا مراد لینا درج ذیل وجوہ کے سبب ضروری ہے:

۱۔ کتاب وسنّت میں حضور علیہ السلام کے تمام آباء واجداد کو طاہر قرار دیا گیا ہے۔ اگر آپ کے والدگرامی کو (نعوذ باللہ) کافر سمجھا جائے تو ان نصوص کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔

۲۔ "اَبٌ" کا یہاں چچا پر اطلاق اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال آپ کی ولادت سے پہلے ہو چکا تھا۔ اُن کے لیے آپ پر ایمان لانا

ضروری ہی نہیں تھا۔ لہٰذا ان پر گرفت کیسی؟ کیونکہ قرآن کا فیصلہ ہے:

مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (الاسراء: ۱۷، ۱۵)

ہم اس وقت کسی قوم کو عذاب میں مبتلا کرتے ہیں جب اُن کے پاس کوئی نہ کوئی رسول پہنچ جائے۔

اس قرآنی اصول کے مطابق آپؐ کے والدِ گرامی کے بارے میں کہ وہ جہنم میں ہیں کوئی ادنیٰ مؤمن بھی نہیں کہہ سکتا۔ چہ جائیکہ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہیں۔

سوال ۲: مسلم شریف میں ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا

استأذنت ربی استغفر لأمّی فلم یاذن لی۔

میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لئے دعاء مغفرت کی اجازت مانگی مگر مجھے اجازت نہ ملی۔

دعا کی اجازت فقط مسلمان میّت کے لیے ہے۔ کافر کے لئے نہیں۔ اگر آپ کی والدہ اہل ایمان میں سے ہوتیں تو دعاء کے لیے اذن طلب کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور اگر اذن طلب کیا تھا تو اجازت مل جاتی لیکن دعا کے بارے میں اذن طلب کرنا اور اذن نہ ملنا اس بات پر شاہد ہے کہ آپ کی والدہ اہلِ ایمان میں سے نہیں تھیں۔

جواب۔ آپ کا اذن طلب کرنا اور اجازت نہ ملنا پہلے کا واقعہ ہے جبکہ زندہ کر کے مشرف بہ اسلام کرنا بعد کا واقعہ ہے اور اس کی تصدیق و تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جو روایات زندہ ہو کر اسلام لانے کی ہیں ان میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر وقوع پذیر ہوا اور اس واقعہ کا حجۃ الوداع کے موقع پر وقوع پذیر ہونا ان روایات کے متاخر ہونے اور اذن نہ ملنے والی روایات کے متقدم ہونے

عادل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام نے زندہ ہو کر اسلام لانے والی روایات
سخ اور دیگر روایات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ ہم یہاں چند محدثین کی آراء ذکر کرتے
جو انہوں نے ان تمام روایات میں تطبیق پیدا کرتے ہوئے بیان کی ہیں۔

۔ مشہور مفسرِ قرآن امام قرطبی اپنی کتاب " التذکرہ " میں ان روایات میں
تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لا تعارض و الحمد للہ	الحمد للہ ان احادیث میں کوئی تعارض
لان احیاء ھما متأخر عن	نہیں کیونکہ والدین کا زندہ ہوتا نہی عن
النھی بالاستغفار لھما	الاستغفار کے بعد کا ہے۔ اس پر واضح
بدلیل عائشۃ رضی اللہ عنہا	شہادت حضرت عائشہ سے مروی
ان ذٰلک کان فی حجۃ الوداع۔	روایت ہے کہ آپ کے والدین کا زندہ ہونے
(التذکرہ فی احوال الموتیٰ والقبور والآخرۃ،	کا واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا ہے۔

۲۴۔ مطبوعہ بیروت)

۔ فخر المحدثین امام ابن شاہینؒ کے حوالے سے امام قرطبیؒ تصریح کرتے ہوئے فرماتے
ہیں:

وکذٰلک جعلہ ابن شاھین	امام ابن شاہین نے حضرت عائشہ سے مروی
ناسخا لما ذکر من الاخبار	روایت (زندہ ہو کر اسلام لانا) کو دیگر
("التذکرہ"، ۲۴)	روایات کے لیے ناسخ قرار دیا ہے۔

۔ امام عبدالباقی زرقانی نے تعارض کو ختم کرتے ہوئے بہت ہی خوب بات کہی۔
یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی گفتگو کو " نفیس جدًا " کے الفاظ سے تعبیر
کیا ہے۔

ویمکن الجواب عن المحدثین	ان دونوں روایات (" ان ابی و

انها كانت موحدة غير انها لم يبلغا شان البعث و النشر و ذلك اصل كبير فاحياهما الله له حتى امنا بالبعث ولجميع ما فى الشريعة ولذا تأخر احياهما الى حجة الوداع حتى تمت الشريعة و ينزل "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" فاحييت حتى امنا بجميع ما انزل الله عليه هذا معنى نفيس جدًا۔

(زرقانی، ۱ : ۱۷۶)

ابالش فی النار" اور "استاذنت ربی") کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ آپ کے والدین اللہ کی توحید پر ایمان رکھتے تھے مگر قیامت، رسالت اور دیگر شریعت پر تفصیلی ایمان نہ تھا حالانکہ آخرت وغیرہ پر ایمان ایک اہم جزء ہے۔ یہ بات اس لیے قابلِ توجہ ہے کہ ان کا زندہ ہونا اس موقع پر وقوع پذیر ہوا جب شریعت مکمل طور پر نازل ہو چکی تھی اور اس کے بارے میں ان الفاظ میں اعلان ہو چکا تھا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ لہٰذا ایسے موقع پر اللہ نے انہیں زندگی دی تاکہ وہ شریعت پر تفصیلی ایمان لے آئیں۔ یہ گفتگو بہت ہی نفیس ہے۔

۴۔ امام شامی حضور علیہ السلام کے والدین شریفین کے ایمان کا تواتر کرتے ہوئے ان مذکورہ دونوں روایات "ان ابی و ابالش فی النار" اور "استاذنت ربی" کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لا ينافى ما فى صحيح المسلم

صحیح مسلم میں جو روایات آئی ہیں کہ

استاذنت ربی ان استغفر لامی فلم یاذن لی ومافیه ایضاً ان رجلاً قال یارسول اللہ این ابی؟ قال فی النار فلما دعاہ فقال ابی و اباك فی النار لا مکان ان یکون الاحیاء بعد ذلك لانہ کان فی حجۃ الوداع۔
(فتاوٰے شامی ۱)

میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کی مغفرت کے بارے اجازت طلب کی تو مجھے اذن نہ ملا اور ایک اعرابی نے آپ سے پوچھا کہ میرا والد کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا میرا اور تیرا باپ آگ میں ہیں۔" یہ دونوں آپ کے (والدین کے) عدم ایمان پر اس لیئے دال نہیں ہو سکتیں کہ ان کا زندہ ہو کر آپ کی ذات پر اسلام لانا ان کے بعد کا واقعہ ہے کیونکہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا۔

۵ امام اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں:

و اما ماروی عنہ فلم یؤذن لی فی الشفاعۃ فھو متقدم علی احیاھما لانہ کان فی حجۃ الوداع فمن الجائز ان تکون ھذا الدرجۃ حصلت لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد ان لم تکن۔
(تفسیر روح البیان: ۱، ۱۴۷)

روایات میں جو آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفاعت کا اذن مانگا تھا مگر اجازت نہ ملی تھی۔ یہ بات آپ کے والدین کے زندہ ہونے سے پہلے کی ہے کیونکہ زندہ ہونے کا واقعہ حجۃ الوداع کے موقعہ کا ہے اور یہ ممکن ہے کہ یہ مقام اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو عطاء نہ کیا ہو اور اب عطا فرما دیا ہو۔

۶۔ امام جلال الدین سیوطی رقمطراز ہیں:

القول فی الاحادیث التی وردت فی ان ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النار کلھا منسوخۃ اما باحیاءھما وایمانھما واما بالوحی فی ان اھل الفترۃ لایعذبون۔
(التعظیم والمنۃ : ۷۴)

وہ روایات جو آپ کے والدین کے آگ میں ہونے کے بارے میں ہیں وہ تمام منسوخ ہیں یا تو اس لیے کہ وہ زندہ ہو کر اسلام لے آئے یا اس لئے کہ اہل فترت کو عذاب میں بتلا نہیں کیا جاتا۔

ان محدثین و مفسرین کی تصریحات و تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ جو روایات آپ کے والدین کے عدم ایمان پر دال ہیں وہ تمام کی تمام متقدم ہیں اور ان کے ایمان پر شاہد روایات بعد کی ہیں۔ لہٰذا عدم ایمان کی تمام روایات کو منسوخ قرار دیتے ہوئے آپ کے والدین کے ایمان کا قول کیا جائے گا۔

۲۔ دوسرا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ غیر نبی اور غیر رسول کے لیے استغفار کا لفظ اس کے حق میں گناہ کا وہم پیدا کرتا ہے۔ چونکہ آپ کے والدین نے زمانہ فترت پایا ان کے نجات اعتقاد کے لیے عقیدۂ توحید کافی تھا۔ شریعت اور احکام الٰہی موجود نہ تھے کہ جس کی وجہ سے گنہگار کہلاتے لہٰذا اذنِ استغفار نہ ملنا اس بات پر شاہد ہے کہ وہ گنہگار نہ تھے۔

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ یہی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والدہ مکرمہ کے لیے حضور علیہ السلام کو استغفار کا اذن نہ ہونا بھی معاذ اللہ ان کے کفر کی دلیل نہیں بلکہ گناہوں سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ غیر نبی اور غیر رسول کے لیے استغفار کا لفظ اس کے حق میں گناہ کا وہم پیدا کرتا ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین

ایامِ فترت میں تھے۔ اِس لئے ان کی نجات کے لیے اعتقادِ توحید کافی تھا۔ کسی شریعت و احکامِ الٰہی کا اس وقت وجود نہ تھا جس کی وجہ سے کوئی گنہ گار قرار پاتا اور اُس سے اُن کا بچنا ضروری ہوتا۔ لہٰذا ان کے حق میں استغفار کا اذن نہ ہوا تاکہ کسی کا ذہن ان کے گناہ کا وہم پیدا نہ کرے۔"

(مقالاتِ کاظمی: ۱/۶۴)

سوال ۳: امام اعظم کا موقف یہی ہے کہ ان کی وفات کفر پر ہوئی۔ آپ نے اپنی کتاب "الفقہ الاکبر" میں تصریح کردی ہے کہ "ماتا علی الکفر"۔ ان دونوں کی وفات کفر پر ہوئی۔

جواب۔ علماء نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:۔

۱۔ یہ "فقہ اکبر" میں کسی شخص نے اضافہ کردیا ہے۔ کیونکہ معتمد نسخوں میں یہ عبارت موجود نہیں۔

امام طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں:

وما فی الفقه من ان والدیه صلی الله علیه وآله وسلم ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام وعلی النسخ المعتمد لیس لها شیء من ذلك۔ (حاشیہ درمختار)	فقہ اکبر میں جو موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی وفات کفر پر ہوئی یہ امام صاحب پر الزام اور تہمت ہے۔ اس کتاب کے معتمد نسخوں میں ایسی کوئی عبارت نہیں۔

۲۔ اصل عبارت "ماتا علی الکفر" نہیں "ما ماتا علی الکفر" ہے۔ ایک "ما" یہاں سہوِ کتابت کی وجہ سے نہ لکھا جاسکا جس سے

غلط فہمی پیدا ہوئی اور اس پر دلیل یہ ہے کہ "فقہ اکبر" کے قدیم نسخوں میں "ما" کا لفظ موجود ہے۔

شیخ مرتضیٰ زبیدی "الانتقاد لوالدی النبی المختار" میں اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ میں نے اپنے شیخ احمد بن مصطفیٰ الحلبی کے دستِ اقدس کے ساتھ "فقہِ اکبر" کے اس مقام پر یہ الفاظ پائے جس میں انہوں نے سہوِ کتابت کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا تھا:

ان الناسخ لما رأی تکرر ما فی ما ماتا ظن ان احداھما زائدۃ فحذفھا فذاعت نسختہ الخاطئۃ (الامام علی القاری واثرہ فی الحدیث ص ۱۱۹)	جب کاتب نے "ما" کا لفظ دو مرتبہ لکھا ہوا پایا تو اس نے محسوس کیا کہ شاید ایک "ما" زائد ہے۔ لہٰذا اس نے پہلے "ما" کو عمداً نہ لکھا۔ اس وجہ سے غلط نسخہ چھپ گیا۔

شیخ مذکور نے فقہ اکبر کی عبارت کے سیاق و سباق سے اس پر دلیل قائم کی کہ واقعتاً یہاں سہوِ کتابت ہے۔ دلیل دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن الدلیل علیٰ ذلک سیاق الخبر لان اباطالب و الابوین لو کانوا جمیعا علیٰ حالۃ واحدۃ جمع الثلاثۃ فی الحکم بجملۃ واحدۃ لا بجملتین مع عدم التخالف بینھم فی الحکم۔ (الامام علی القاری واثرہ فی الحدیث ص: ۱۱۰)	سیاق کلام دال ہے کہ یہاں کلمہ "ما" ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ کے چچا ابو طالب اور آپ کے والدین کا اگر ایک ہی حکم ہوتا تو ان تینوں کا حکم ایک ہی جملہ میں لکھ دیا جاتا۔ دو جملوں میں لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا حکم الگ الگ ہے۔

شیخ ابراہیم قوتلائی اپنے مقالے "الامام علی القاری" میں شیخ کی یہ گفتگو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میں نے مصر میں دو ایسے قدیم نسخوں کو دیکھا ہے جن پر "ما" کا لفظ موجود ہے۔

و انی بحمد الله رأیت لفظ "ما ماتا" فی نسختین بدار الکتب المصریة قدیمتین و علی القاری بنی شرحه علی النسخة الخاطئة۔	الحمد للہ میں نے مصر میں فقہ اکبر کے دو قدیم نسخے ایسے دیکھے ہیں جن میں "ما" کا کلمہ دو مرتبہ لکھا ہوا ہے۔ یہاں سے محسوس ہوتا ہے کہ ملا علی قاری کے سامنے فقہ اکبر کا غلط نسخہ تھا جس میں کلمہ "ما" نہیں۔

جب محققین نے تصریح کردی ہے کہ یہاں ایک "ما" سہو کتابت کی وجہ سے حذف ہو چکا ہے تو اس عبارت کو دلیل بنانا ہرگز درست نہیں۔

پھر اپنے اسی مقالے میں اس بات کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ کے مکتبہ شیخ الاسلام میں دورِ عباسیہ کے تحریر کردہ "فقہِ اکبر" کا نسخہ دیکھا جس میں یہ تمام عبارت نہیں ہے۔ بلکہ وہاں الفاظ یہ تھے۔

و والدا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ماتا علی الفطرة و ابوطالب مات کافرا۔	آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی کی وفات فطرت پر اور ابوطالب کی وفات کفر پر ہوئی۔

(الامام علی القاری واثرہ: ۱۱۰)

سوال ۴: حضرت ملا علی قاری آپ کے والدین کے کفر کے قائل ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر باقاعدہ کتاب لکھی ہے۔

جواب۔ حضرتِ ملا علی قاری نے واقعتاً اس موضوع پر کتاب لکھی تھی مگر علماء نے

اُن کے اس عمل کو پسند نہیں کیا بلکہ آخری عمر میں انہوں نے خود اس بات سے رجوع کر لیا تھا۔ محشی نبراس علامہ برخوردار لکھتے ہیں) :

فقد اخطأ و زل لا یلیق	ملا علی قاری سے اس مسئلہ میں خطاء ہوئی
ذلک له نقل توبته من	اور وہ پھسل گئے لیکن "القول المستحسن"
ذلک فی القول المستحسن	میں مروی ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ
(حاشیہ نبراس : ۵۲۶)	میں رجوع کر لیا یعنی توبہ کر لی تھی۔

ملا علی قاری کی تصریح

الشیخ مصطفٰے الحمامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شرح شفاء میں ملا علی قاری نے جو گفتگو کی ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا۔ شرح شفا کے وہ دو مقامات یہ ہیں :

۱۔ ایک مقام پر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ " ذی المجاز " کے مقام پر سواری کی حالت میں ابو طالب نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے سخت پیاس محسوس ہو رہی ہے مگر پانی نہیں۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری سے اتر کر زمین پر پاؤں مارا۔ وہاں سے پانی نکل آیا تو آپ نے فرمایا چچا! یہ پانی پی لو۔ اس کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں :

و ابو طالب لم یصح اسلامه	ابو طالب کا ایمان ثابت نہیں مگر آپ کے
و ابویه ففیه اقوال والاصح	والدین کے ایمان کے بارے میں مختلف
اسلامهما علی ما اتفق	اقوال میں مختار یہی ہے کہ وہ مسلمان
علیه الاجلة من الامّة	تھے۔ امت کے اکابر کا اس پر اتفاق
(شرح الشفاء : ۱ ، ۶۰۱)	ہے۔

۲ - دوسرے مقام پر ملا علی قاری اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

اما ما ذکروا من احیائہ علیہ الصلوۃ والسلام ابویہ فالاصح وقع علی ما علیہ الجمہور الثقات کما قال السیوطی فی رسائلہ -

(شرح الشفاء : ۱، ۶۴۸)

علماء نے حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کا زندہ ہو کر اسلام قبول کرنا بیان کیا ہے ۔ یہی مختار ہے ۔ جمہور علماء امت کی یہی رائے ہے ۔ امام سیوطی نے اس موضوع پر متعدد رسائل تصنیف کئے ہیں ۔

یاد رہے کہ شرح الشفاء ملا علی قاری کی آخری تصانیف میں سے ہے ۔

یہ نسخہ شرح شفا استانبول ۱۳۱۶ھ کا مطبوعہ ہے، فقیر کے پاس موجود ہے ۔

فضائل و مناقب

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

تصنیف

شیخ المحدثین امام عبد الرؤف المناوی

۹۵۲ — ۱۰۲۱

ترجمہ

علامہ اکبر علی خان قادری

عالمی دعوت اسلامیہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

رضاعی مائیں اور رضاعی بھائی، بہنیں

تالیف

مفتی محمد خان قادری

عالمی دعوتِ اسلامیہ پنجاب

اظہارِ حقیقت!

حضورؐ کے والدین کے بارے میں

تصنیف

ڈاکٹر محمد علوی مالکی مکۃ المکرمہ

نوٹ :

یہ مقالہ شیخ محمد علوی مالکی کی مشہور کتاب
"الذخائر المحمدیہ" سے لیا گیا ہے
اس کتاب کا مکمل ترجمہ بنام "ذخائر محمدیہ"
بھی عالمی دعوتِ اسلامیہ نے شائع کر دیا ہے۔

یہاں ہم امام اعظمؒ کی طرف حضورؐ کے والدین کے بارے میں جو کچھ منسوب ہے کہ وہ آپؐ کے والدین کے کفر کے قائل تھے، اُس کی حقیقت حال سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کا اِس قول سے رجوع ثابت ہے جیسے شیخ مصطفیٰ الحمامی نے "النہضۃ الاصلاحیۃ" میں لکھا ہے۔ ملا علی قاری کی طرف ایک کتابچہ منسوب کیا جاتا ہے جس کا نام (ادلۃ معتقد ابی حنیفۃ الامام فی ابوی الرسول علیہ السلام) ہے۔ جس میں آپؐ کے والدین کریمین کے بارے میں ایسی گفتگو کی گئی ہے جس سے بچنا لازم تھا کیونکہ یہ کلام بارگاہِ مصطفوی میں تکلیف کا باعث بنتا ہے اور آپ کو اذیت دینا عظیم گناہ ہے۔

محدث ابن ابی الدنیا اور ابن عساکرؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ ابولھب کی بیٹی درۃ ایک آدمی کے پاس سے گزری اس آدمی نے ان کو دیکھ کر کہا۔ یہ لڑکی اللہ کے دشمن ابولھب کی بیٹی ہے بس حضرت درۃ رضی اللہ عنھا نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اے شخص بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے باپ کا ذکر رشتہ داری اور ان کے شرف نسب کے لحاظ سے کیا ہے۔ جبکہ تیرے باپ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اُن کی جہالت کی وجہ سے نہیں کیا۔ پھر حضرت درۃ نے حضور علیہ السلام سے اس واقعہ کی شکایت کی آپ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا:

لا یؤذین مسلم بکافر — کسی مسلم کو کافر کی وجہ سے طعنہ دیکر تکلیف نہ دو۔

اس نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ تم کافروں کا اس طرح ذکر نہ کرو جس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچے اور انہیں دکھ اور الم کا سامنا کرنا پڑے۔

مسلمان کی ہمیشہ عزت کرنی چاہیئے۔ یہاں تک کہ اگر کسی مسلمان کے قریبی رشتہ دار کافر ہوں تو اُن کے حوالے سے اِس سے ایسی گفتگو نہیں کرنی چاہیئے۔ جس سے اُس مسلمان کو تکلیف پہنچے اور اس کے غصے کا باعث بنے۔

جب عام مسلمانوں کا یہ حال ہے تو سرکار کے بارے میں گفتگو کرنے میں تو بدرجۂ اولیٰ یہ رعائت کرنی چاہیئے کہ کوئی ایسا کلمہ زبان سے نہ نکل جائے جو ناراضگی کا سبب بنے۔ اسلامی تقاضا اور ادب یہ ہے کہ آپ کے خاندان کے وہ افراد جو حالت کفر پر فوت ہوئے ان کا بھی اس طرح ذکر نہ کیا جائے جو سرکار کی بارگاہ کی اذیت کا سبب ہو تو آپ کے والدین کے بارے میں یہ کیسے روا ہو سکتا ہے!

ابن مردویہ نے ابن عمر، ابی ہریرہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا ہے۔ ابولہب کی بیٹی درہ جب مہاجر ہو کر مدینہ پاک آئی تو عورتوں نے انہیں کہا۔

انت درة بنت ابی لھب	تو ابولہب کی بیٹی درہ ہے جس کے بارے
الذی یقول الله تبت	میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ
یدا ابی لھب۔	ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں

حضرت درہ نے حضور علیہ السلام سے اس بارے میں شکایت کی حضور علیہ السلام نے لوگوں سے فرمایا:

ایھا الناس مالی اوذی فی	اے لوگو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم میرے
اھلی فو الله ان شفاعتی	خاندان کے حوالے سے مجھے تکلیف دو۔
لتنال بقرابتی حتی ان	اللہ کی قسم میری شفاعت میرے قریبی
حکما وحاء وصدا وسلبھا۔	رشتہ داروں کو پہنچے گی۔ یہاں تک کہ میرے

حکم۔ حاء صدا[1] اور ان کے پیچھے آنیوالوں
کو بھی قیامت کے دن میری قرابت کیوجہ
سے میری شفاعت حاصل ہوگی۔

اس موضوع پر یہ حدیث نص کا درجہ رکھتی ہے کہ آپ نے لوگوں کو ابولہب کے حوالے سے تذکرہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا تم میرے خاندان کے حوالے سے مجھے تکلیف نہ دو۔ جب حضور علیہ السلام نے ابولہب کے حوالے پر ناراضگی فرمائی۔ حالانکہ وہ قطعی طور پر کافر ہی مرا۔ تو اس شخص پر سرکار کتنے ناراض ہوں گے جو آپ کے والدین کریمین کے بارے میں ایسی گفتگو کرتا ہے جو کہ فطرت پر فوت ہوئے۔ جس کے بارے میں ابھی گفتگو آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

لازمی بات ہے آپ اس شخص پر زیادہ ناراض ہوں گے جو آپ کے والدین کریمین کی بارگاہ میں اہانت یا اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ حضور کے والدین وہ مبارک ہستیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عزت سے نوازا۔ اور ان کے پاک وجود سے اس کائنات کے سردار اور پاک ہستی کو پیدا فرمایا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ شخص جو آپ کے والدین کی اہانت کرتا ہے۔ وہ خود اپنے آپ کو لعنت کا مستحق اور اللہ کی رحمت سے دور کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ	وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں اپنی رحمت سے محروم کر

---

[1] یہ قبائل کے نام ہیں۔

وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔ دیتا ہے اور ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کیا گیا ہے۔

اب ہم مذکورہ رسالے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ امام اعظمؒ کی طرف یہ بات منسوب کرنا کہ حضور کے والدین قیامت کے دن عذاب سے چھٹکارا نہیں پائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ان پر بہت بڑی اور واضح تہمت ہے اور پھر یہ اس سے بھی بڑھ کر تہمت ہے کہ رسالے کا نام ادلۃ معتقد ابی حنیفہ الامام فی ابوی الرسول علیہ السلام ہے (حضور کے والدین کے بارے میں امام اعظم کا عقیدہ یعنی کہ وہ کافر جانتے تھے) اگر کوئی قاری یہ اعتراض کرے کہ ملا علی قاریؒ نے اس رسالے کے شروع میں لکھا کہ امام اعظم نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں کہا ہے: والدا رسول اللہ ماتا علی الکفر۔

جب ان کی کتاب میں موجود ہے تو پھر آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ اس قول کی امام اعظمؒ کی طرف نسبت کرنا تہمت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ اکبر میں ماتا علی الکفر کے الفاظ نہیں بلکہ اس میں عبارت یوں ہے:

والدا رسول اللہ ماتا علی الفطرۃ وابو طالب مات کافرًا حضور کے والدین فطرت پر فوت ہوئے جبکہ ابو طالب کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔

میں نے یہ عبارت خود اس قدیم نسخہ میں دیکھی ہے جو مدینہ منورہ کی شیخ الاسلام لائبریری میں موجود ہے۔ بعض اہل علم نے مجھے بتایا کہ یہ نسخہ عہد عباسی کا تحریر کردہ ہے۔ لائبریری میں یہ نسخہ جس مجموعۂ کتب میں محفوظ ہے اس کا نمبر ۲۳۰ ہے جو شخص فقہ اکبر کے اس نسخہ کو دیکھنا چاہیے۔ وہ اس لائبریری سے رجوع کرے۔ یقیناً وہ اس نسخے میں

وہی الفاظ پائے گا جو ہم نے یہاں نقل کئے ہیں اور مجھے دیکھے ہوئے کوئی زیادہ دیر نہیں
ہوئی - یہ موسم حج ۱۳۵۴ کی بات ہے اور آج وقتِ تحریر ۴ جمادی الاول ۱۳۵۵ ہے -
یعنی پانچ ماہ اور کچھ دن ہوئے ہیں کیونکہ میں ۱۳۵۴ ذی الحجہ کے شروع میں مدینہ منورہ
تھا جو کوئی بھی تامل سے کام لے گا اسے یقین ہو جائے گا کہ ملا علی قاریؒ کے نسخے میں جو
کچھ نقل کیا گیا ہے اُس میں یہ اہم خرابیاں ہیں ۔

۱ - پہلی یہ کہ وہ جھوٹ ہے اور یہ اس قدیم نسخے کی مخالفت کرتا ہے جس کا ذکر ہو چکا ۔

۲ - دوسری یہ ہے کہ اس میں تدلیس ہے کیونکہ جب کوئی شخص ملا علی قاریؒ کی منقولہ عبارت کے بعد یہ جملہ پڑھتا ہے (و ابو طالب مات کافرا) تو از خود یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب حضور کے والدین اور ابو طالب تمام کفر پر فوت ہوئے تو فقہ اکبر کی عبارت یوں ہونی چاہیئے تھی - " و والدا رسول اللہ و ابو طالب ماتوا کفارا " یعنی حضور علیہ السلام کے والدین کا کفر الگ اور ابو طالب کے کفر کو الگ ذکر نہ کیا جاتا ۔

رہا معاملہ ہمارے نسخے کا تو یہ بہت ہی واضح ہے - ابو طالب کے کفر کے افراد میں کیونکہ یہاں حکم ہی دو - تھے - اس لیے پہلے اس میں حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کا ذکر ہے اور اس کے بعد ابو طالب کے کفر پہ تصریح ممکن ہے قاری کے ذہن میں یہ بات آئے کہ ملا علی قاری نے جو کفر کا لفظ نقل کیا ہے وہ اس لفظِ فطرت سے محرف ہو کر بنا ہو جو اس مذکورہ نسخے میں موجود ہے - کیونکہ ان دونوں الفاظ کفر اور فطرۃ کے درمیان واضح قرب ہے ۔

کیا یہ تحریف مقصود ہو سکتی ہے کہ ابو طالب کے حکم کو حذف کر دیں اور کہیں :

(و والدا رسول اللہ ماتا علی الفطرۃ و ابو طالب ذالک)

اگر ایسا ہو تو پھر ہم نہیں جانتے کہ یہ حذف مؤلف سے ہوا یا کہ ناشر سے اور یہ رسالہ

اصلاً باطل ہے۔ کیونکہ جو کچھ اس میں لکھا تھا اس سے رجوع کے بعد مصنف نے شرح شفا میں لکھا ہے۔

پہلا مقام صفحہ ۶۰۱ پر ہے جبکہ دوسرا مقام صفحہ ۶۲۸ پر ہے۔ اور یہ شرح شفا کا نسخہ ۱۳۱۶ھ میں استنبول سے شائع ہوا تھا[1]

پہلا مقام ماتن قاضی عیاض رح فرماتے ہیں کہ ابو طالب نے حضور اکرم سے ذی مجاز کے مقام پر کہا:

عطشت ولیس عندی	مجھے سخت پیاس لگ رہی ہے جبکہ میرے
ماء فنزل النبی وضرب	پاس پانی بھی نہیں ہے اس پر حضور
بقدمه الارض فخرج الماء	علیہ السلام سواری سے نیچے اترے اور
فقال اشرب۔	اپنا قدم مبارک زمین پر مارا جس سے زمین

سے پانی نکل آیا۔ اور ابو طالب سے کہا پی لو اس کے تحت ملا علی قاری رح شیخ دلجی رح کے حوالے سے لکھتے ہیں:

الظاهر ان هذا کان	ظاہر یہی ہے۔ یہ واقعہ اعلانِ نبوت
قبل البعثة یعنی فیکون	سے پہلے کا ہے۔ یعنی یہ ارہاصات[2]
من الارهاصات	میں سے ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ
ولا یبعد ان یکون	یہ واقعہ اعلانِ نبوت کے بعد وقوع

---

[1] شرح شفاء کا یہ نسخہ میرے پاس موجود ہے جس کی فوٹو حاصل کی جاسکتی ہے۔
محمد خان قادری

[2] وہ معجزات جو آپ کو اعلان نبوت سے قبل نصیب ہوئے۔

بعد البنوة نهوض من — پذیر ہوا ہو۔ یوں اس کا تعلق معجزات سے ہو گا۔

المعجزات۔

شاید اس میں اس طرف اشارہ ہو کہ آخری زمانے میں آپ کے قدموں کی برکت سے عرفات میں ایک پانی کا چشمہ جاری ہو اور اس کی برکات مکہ اور اس کے ارد گرد میں ظہور پذیر ہوں۔

ابوطالب کا اسلام لانا ثابت نہیں اور جہاں تک آپ کے والدین کے ایمان کا مسئلہ ہے تو اس میں مختلف اقوال ہیں۔ صحیح قول یہی ہے کہ وہ اسلام پر تھے۔ بڑے بڑے ائمہ کا یہی قول ہے۔ امام سیوطیؒ نے اس موضوع پر اپنے تین رسائل میں اس کو واضح کیا ہے۔

۲۔ دوسرا مقام

دوسرے مقام پر شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے والدین کو زندہ کیا تھا۔ جمہور علماءِ ثقہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ رونما ہوا ہے۔ جب کہ امام سیوطیؒ نے اپنے تین رسائل میں اس کی تصریح کی ہے۔

پس خود مؤلف رسالہ شیخ ملا علی قاری نے حق وصواب کی طرف رجوع کر کے رسالہ کا رد کر دیا۔ یہی شان تھی ہمارے سابقہ اکابر علماء کی کہ وہ جب کبھی کسی غلطی کے مرتکب ہوتے تو حق کی طرف رجوع کرنے کے لیے انتظار نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح جب کبھی ان سے کوئی نافرمانی ہوتی تو فوراً اپنے رب کی طرف رجوع کرتے تھے۔ جب بھی ان میں کوئی نقص رونما ہوتا تو کمال کی طرف بڑھتے۔ جب کبھی وہ اپنے مقام سے ذرا نیچے کی طرف گرتے تو فوراً چوٹی اور رفعت کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتے۔

ہمارے پاس والدین نبی کی نجات پر یہی دلیل نہیں بلکہ مذکورہ بالا گفتگو کے علاوہ

بھی ایک دلیل ہے جو آپ کے والدین کی نجات پر دلالت کرتی ہے۔ وہ یہ کہ آپ کے
والدین کریمین زمانۂ فترہ میں فوت ہوئے۔ اُس دور میں کوئی ایسا رسول یا نبی نہ تھا جو ان
کو ان کے رب کی طرف سے واجبات کی تعلیم دیتا۔ ان پر زمانہ طویل ہوتا رہا۔ اور وہ
اسی حالت میں رہے۔ بے شک یہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کے دور کے
بعد ہے جس میں ان کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔ یوں آپ کے والدین دیگر عرب
کی طرح معذور ہیں۔

ہم یہ بھی چاہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر غور کیا جائے: وَالْقُرْاٰنِ
الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ
الرَّحِيْمِ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآءُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ۔

اس آیتِ کریمہ کے یہ الفاظ (لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآءُهُمْ فَهُمْ
غَافِلُوْنَ) نہایت ہی قابلِ توجہ ہیں۔ جس میں اس دور کے باسیوں کی طرف واجبات
سے دوری کا عذر پیش کیا گیا ہے۔ بایں صورت کہ ان کے آباء کو کسی نے اللہ کے
خوف سے نہیں ڈرایا۔ تاکہ وہ جانتے کہ ان کے رب کے ان پر کچھ حقوق ہیں جن
کی ظاہراً و باطناً پیروی ضروری ہے۔ یوں انکے والدین اپنے والدین کی روش پر پیرو رتش پائے۔
یعنی واجبات پر عمل پیرا نہ تھے۔

اس آیت کریمہ سے فرق واضح ہوا۔ اس بچے جو نیک والدین میں پرورش پایا ہو
اور اس بچے کے درمیان جو فاسق والدین کے درمیان پرورش پایا ہو ــــ پہلی
صورت میں بچہ دین سے آگاہ اور اپنے والدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین
کے قوانین کی اتباع کرے گا جبکہ دوسری صورت میں ایسا نہیں ہوگا۔

اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد گرامی کافی ہے جو اللہ
تعالیٰ نے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی قوم کا نقل کیا ہے۔ جبکہ ان پر سیدہ مریم کی حقیقت حال

واضح نہیں تھی تو ان کی قوم نے ان سے کہا :

یا اخت ھرون ما کان	اے ہارون کی بہن تمہارا باپ تو کوئی
ابوک امرأ سوء وما کانت	ایسا (برا) آدمی نہ تھا اور نہ ہی تمہاری
امك بغیاً	ماں کوئی باغی عورت تھی ۔

یعنی تم سے اس طرح کے فعل کا سرزد ہونا عجیب ہے کیونکہ تمہارے والدین تو ایسا کام نہیں کرتے تھے ۔

قرآن نے اہلِ فترہ سے عذاب کی نفی کی تصریح کی ہے ۔

وما کنا معذبین حتی	ہم جب تک کسی قوم میں رسول نہ بھیج
نبعث رسولا۔	دیں اس کو سزا نہیں دیتے ۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندوں میں سے کسی کو اصول و فروع کے ترک پر عذاب نہیں دیتا۔ جب تک ان میں میرا کوئی رسول موجود نہ ہو ۔ جب لوگ عہدِ رسالت سے دور ہوں ۔ سابقہ شریعت میں تحریف و تبدیلی آچکی ہو ۔ اور ان میں کوئی ایسا اللہ تعالیٰ کا پیغمبر نہ آیا ہو۔ جو انہیں متنبہ کرے اور سمجھائے کہ جن واجبات کو تم چھوڑ رہے ہو اُن کا چھوڑنا تمہارے لیے جائز نہیں تو ایسے لوگوں پر گرفت نہ ہوگی ۔ اگر رسول بھیجے بغیر اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بغیر کسی جرم کے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ حالانکہ ہمارا رب نہایت ہی عادل و حاکم ہے جو کبھی بھی کسی کو ناحق عذاب نہیں دیتا ۔

حضور علیہ السلام کے والدین نے اپنے زمانے کے دوسرے لوگوں کی طرح ایسے زمانے میں زندگی بسر کی جب کوئی غیر متبدل شریعت موجود نہ تھی اور نہ ہی کوئی رسول تھا۔ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے والدین کی وفات کے بہت عرصہ بعد اعلانِ نبوت کا حکم دیا گیا۔ آپ کے والدِ گرامی تو اس وقت فوت ہو گئے تھے جب

آپ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے۔ جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال اس وقت ہوا جب آپ کی عمر مبارکہ چار سال یا اس سے بھی کچھ کم تھی۔ لہٰذا آپ کے والدین کریمین دوزخ کے عذاب سے نجات پانے والے ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ جس طرح زمانہ فترہ کے باقی لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ علماءِ امت کی اکثریت کا یہی قول ہے۔

اگر تمہارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ بعض احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بعض اہل فترہ عذاب میں مبتلا ہیں تو اس حدیث کی رو سے باقیوں کو بھی ان پر قیاس کر لیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس معاملہ میں جتنی بھی احادیثِ مبارکہ ہیں، وہ تمام کی تمام خبر واحد کا درجہ رکھتی ہیں۔ اخبار احاد کا قرآن پاک کے ساتھ مقابلہ نہیں کرایا جاسکتا

شاید تمہارے ذہن میں یہ بات پیدا ہو کہ یہاں تعارض پیدا ہوتا ہے۔ اگر بظاہر تعارض ہے تو اس کا رفع اس طرح ممکن ہے کہ وہ احادیث ان اشخاص کے ساتھ مخصوص ہوں جن کے احوال کا وہاں ذکر ہے۔ تو اب قیاس کیسے درست ہوگا علاوہ ازیں ایسے مواقع پر قیاس جائز بھی نہیں ہوتا۔

ممکن ہے ذہن میں یہ بات آئے کہ ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے والدین کو ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی۔ ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ احادیثِ مبارکہ میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ اس واقعہ سے قبل کا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو دوبارہ زندہ کیا تھا تاکہ آپؐ پر ایمان لے آئیں۔ واقعتہً یہ زندگی ان کو نصیب ہوئی اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور یہ جمہور ائمہ کی رائے ہے جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے بیان کیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس زندگی کے بعد آپ کے والدین کو ایمان نصیب ہوا اور اس سلسلہ میں سابقہ آیات مبارکہ بھی ممد و معاون ہیں کیونکہ وہ آیاتِ کریمہ بھی آپ کے والدین کی نجات پر دلالت کرتی ہیں یوں ان آیات اور احادیث مبارکہ میں کوئی تعارض

نہیں کیونکہ اولاً تو یہ احادیث مبارکہ احاد ہیں ثانیاً یہ آپ کے والدین کے دوبارہ زندہ ہونے سے قبل وارد ہوئی ہیں اور پھر ان احادیث مبارکہ میں چوٹی کے علماء نے تکلم کیا ہے۔ جس کے بعد ان احادیث سے استدلال کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ امام سیوطیؒ نے تنہا اس موضوع پر تین رسائل لکھے جن کا ذکر ملا علی قاریؒ نے بھی فرمایا ہے۔

ملا علی قاریؒ کے رجوع کے معاملہ پر بھی سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں کہ ان کی آخری رائے کونسی ہے؟ تاکہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ اگر اس رسالے کو آخری مان لیا جائے تو پھر لازم آئے گا کہ ملا علی قاریؒ نے اپنی تصنیف شرح شفا میں آپؐ کے والدین کریمین ـــــــــ کے ایمان اور نجات کا جو قول کیا تھا، اس سے رجوع کر لیا تھا۔ یا شرح شفا والا قول آخری ہو تو اب کفر سے ایمان کی طرف رجوع ہوگا۔ لہٰذا ہم اس نقطے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ ملا علی قاریؒ نے جو کچھ شرح شفا میں لکھا وہ ان کی آخری رائے ہے۔ اس صورت میں معاملہ بڑا واضح ہے لیکن اگر ملا علی قاریؒ کے رسالے کو آخری قول قرار دیا جائے تو معاملہ نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور جو چیز اس معاملے کو اور آسان کر دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں اس بات کی تصریح کر دی کہ حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کے ایمان کا مسئلہ علماء اجل کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اور یہی قول جمہور ثقہ علماء کا بھی ہے اور اب اگر ملا علی قاریؒ ایسے قول سے رجوع کر کے وہ بات کرتے ہیں جو ان کے رسالے میں ہے۔ تو پھر گویا انہوں نے علماء امت اور جمہور کی مخالفت کی تو اس رسالے کی کیا قیمت ہوگی جو جمہور اور ثقہ علماء کے مقابل ہو۔ اب ملا علی قاریؒ ایک طرف اور جمہور علماء دوسری طرف ہوں گے۔ پھر یہ بھی قول کرنا پڑے گا کہ ملا علی قاریؒ نے حق سے رجوع کر لیا اور

ایسی بات کہہ دی جس کا بطلان واضح ہے ۔

جب ہم نے ثابت کر دیا کہ امام اعظمؒ کا موقف ہے کہ آپ کے والدین دین فطرت پر فوت ہوئے۔ تو ملا علی قاریؒ کا قول از خود باطل ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ امام اعظمؒ کے کے مقابلے میں ملا علی قاریؒ کا کوئی مقام نہیں ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ ملا علی قاریؒ نے اپنے رسالے میں جو کچھ لکھا وہ امام صاحب کے محرف کلمات کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا۔ اور ان کی سب سے قوی دلیل یہی الفاظ تھے اور پیچھے ہم تفصیلی دلائل سے واضح کر چکے ہیں کہ ان کلمات کی کوئی اصل نہیں بلکہ وہ تحریف شدہ ہیں۔

علامہ آلوسیؒ جن کا شمار اسلافِ ثقہ میں ہوتا ہے، اپنی تفسیر روح المعانی میں "تقلبک فی الساجدین" کے تحت لکھتے ہیں کہ بے شک حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کا قول اہل سنت وجماعت کے کثیر علماء کا ہے ۔

وانا اخشی الکفر علی من	میں ہر اس شخص کے بارے میں کفر کا
یقول فیہما رضی اللہ عنہما	خوف محسوس کرتا ہوں جو آپ کے والدین
علی رغم الف علی القاری	کے بارے میں کفر کا عقیدہ رکھتا ہو
واضرابہ بضد ذلک	ملا علی قاریؒ اس معاملہ میں مخالفت کرتے ہیں۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے ۔ حتیٰ کہ وہ اپنے ان دونوں چچا ابوطالب وابولھب کے لیے رحمت ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے آپ کو دیکھا۔ آپ کی دعوت حق کو اپنے کانوں سے سنا اور پھر بھی کفر پر موت تک ڈٹے رہے ۔

احادیثِ نبویہ کے ذریعے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ان دونوں چچاؤں نے آپ سے قرابت کی بنا پر عذاب کی تکالیف میں تخفیف پائی ۔ کیونکہ حدیث نبویہ میں ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے ابوطالب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں تخفیف کر دی۔ جبکہ آپ کے دوسرے چچا ابولہب کو بعض اوقات کے لیے عذاب میں تخفیف کر دی بلکہ اللہ کی قسم! آپ کا مبارک وجود تمام کفار کے لیے رحمت ہے جنہوں نے کھلم کھلا آپ کو جھوٹا کہا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ۔ — اللہ یہ پسند نہیں کرتا کہ جب تک تو ان کافروں میں رہے وہ انکو عذاب دے۔

تو پھر آپ کا وجود اپنے والدین کے لیے کیسے رحمت نہ ہوگا؟ جو دین فطرت پر فوت ہوئے جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر جمہور ثقہ کا موقف ہے۔

عالمی دعوت اسلامیہ انفیس روڈ، اسلامیہ پارک، لاہور

فتح المتعال فی مدح النعال!

تصنیف

امام احمد المقری تلمسانی

فضائلِ نعلینِ حضورؐ

ترجمہ

مفتی محمد خان قادری • علامہ محمد عباس رضوی

عالمی دعوتِ اسلامیہ

۱- فصیح روڈ اسلامیہ پارک، لاہور فون: ۷۵۹۴۰۰۳-

ایک اہلحدیث فاضل کے قلم سے

حضورؐ کے آباؤ اجداد کا مذہب

مُصنّف

مولانا محمدؐ ابراہیم میر سیالکوٹی

عالمی دعوتِ اسلامیہ

فہرست

ابتدائیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

اللہ تعالےٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آلِ عمران)

اللہ تعالیٰ کی رسی کو اکٹھے ہو کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس شخص نے امت میں افتراق و انتشار پھیلایا اس کا اسلام سے اس طرح تعلق ٹوٹ جاتا ہے جیسے استرہ سے سر کے بال مونڈ دیئے جاتے ہیں۔

اور امت میں محبت پھیلانے والے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک بھی ملاحظہ کر لیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا وہ عمل بتاؤ جو نماز، روزہ اور صدقہ سے افضل ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا۔

اصلاح بین الناس

لوگوں کے درمیان صلح و محبت پیدا کرنا ان سے افضل عمل ہے

یعنی امت کو منتشر کرنا کافرانہ اور امت کو جوڑنا مؤمنانہ عمل ہے، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی عمر امت کو جوڑنے میں گزرتی ہے، یاد رہے علمی اختلافات کو ارتقاء اور مقصد کو پانے کا سبب بننا چاہیئے نہ کہ دھینگا و فساد کا، ہر شخص کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ اپنی بات کو اسقدر

مستحکم اور مثبت دلائل سے بیان کرے کہ مخالف اِن میں غور و فکر کرنے پر مجبور ہو۔ لیکن یہ حق کسی کو حاصل نہیں کہ وہ اپنے عقائد و اعمال کو کسی پر بزور بازو مسلط کرنے کی کوشش کرے، ایسا کرنے والے اس قرآنی ارشاد کو سامنے رکھیں۔

لا اکراہ فی الدین (دین (اسلام) میں کوئی کسی پر جبر نہیں۔

جب اللہ تعالےٰ کے نازل فرمودہ دین میں جبر واکراہ نہیں تو کسی اور دوسرے کی فکر قبول کرنے میں کیسے جبر جائز ہو گا؟

یہاں یہ بھی بات نہایت اہم ہے کہ ہمارے اسلاف میں جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو وہ اختلافِ رائے کے باوجود ایک دوسرے کا احترام واکرام بجالاتے خصوصاً جب اللہ و رسول کا معاملہ ہوتا تو اس میں خاموشی اختیار کرتے۔

مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں اختلاف رائے تھا تو جن کی رائے مخالف تھی وہ خاموشی اختیار کرتے کبھی بھی اس معاملہ کو عوام میں نہ لاتے مگر ہمارے دور میں ضد، ہٹ دھرمی جہالت اور نفس پرستی کی وجہ سے تمام قیود و حدود ختم ہوتے جارہے ہیں آج دُنیا کی خاطر دنیا داروں کی تعریف تو کی جاتی ہے مگر اللہ و رسول کے آداب کا خیال بھی ہمارے ذہن میں نہیں رہا حالانکہ سب سے ادب کی جگہ یہی مبارک ذاتیں ہیں بلکہ دوسروں کا ادب بھی انہی کی تعلیمات و رضا کی خاطر کیا جاتا ہے،

البتہ ہر دور میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے ایسے معتدل مزاج لوگ

موجود رہتے ہیں جن کے اذہان بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے تصور سے خالی نہیں ہوتے، فکر آخرت ان کے ذہن کو بگڑنے نہیں دیتا، جس بات کو حق پاتے ہیں اسے فی الفور قبول کرتے ہیں، اس کی ایک مثال اہلحدیث فاضل مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (پروفیسر ساجد میر صاحب کے دادا) کی ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو کتب، سراجاً منیراً" اور "سیرت المصطفیٰ" تحریر کیں اور ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہی عقائد بیان کیئے جو اہلِ سنت کے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کے بارے میں انہوں نے جو تحقیقی مواد (سیرتِ مصطفیٰ ص۵۲ سے ص۱۱۱ تک جمع کیا ہے۔ یہ انہی کا حصّہ ہے، ہم ان کی اس علمی کاوش کو منظرِ عام پر اس لئے لا رہے ہیں تاکہ ہم راہِ اعتدال پر چلنا اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں۔ اور حق بات کو پانے کے لیئے کوشاں رہیں، بے ادبی اور خرافات و بدعات میں کھو جانے والوں کو چھوڑ کر ان لوگوں کی راہ کو اپنائیں جو باادب اور حقیقت پسند ہیں، ہم یہاں مولانا مرحوم کا وہ اقتباس نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو ان کے دل کے خوف خدا سے لبریز ہونے پر شاہد ہیں۔

"جس روز میں سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مکرمین کے متعلق مضمون لکھنے والا تھا طاقت بھر مطالعۂ کتب کرنے کے بعد تازہ غسل کیا، وضو کیا اور دو رکعت نماز طلب مغفرت اور مدد کے لیئے پڑھی اور سجدوں اور التحیات میں شرح صدر کی دعائیں مانگیں الحمدللہ کہ خدائے تعالےٰ نے مجھے طمانیت بخشی اور اب

میں پورے ثلج خاطر (سکون دل) سے مضمون لکھنے لگا ہوں، اللہ اللہ تعالےٰ قبول فرمائے اور اسے میرے سلیے ذخیرۂ عاقبت بنا دے اور قیامت کے روز اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جگہ دیوے۔ جن کے والدین کی عظمت و محبت سے اس نے میرا دل و دماغ معمور و پر نور کر دیا ہے وجدانی طور پر اس وقت دل میں اتنی کشادگی ہے کہ گرد و پیش کی وسعتیں میرے سینے میں سمائی ہوئی ہیں اور اوپر سے یہ معلوم ہے کہ کسی شی نے مجھے زور سے دبایا ہوا ہے، اسس لئے حضرات علماء سے التماس ہے کہ جن کو اسس امر میں اختلاف ہو وہ ظاہری دلائل پر اکتفا نہ کرتے ہوئے مجاہدہ اور ریاضت سے بھی خدا تعالےٰ سے شرح صدر کی دعائیں کریں قال اللہ تعالےٰ

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (عنکبوت، ۲۱)

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فرقہ پرستی کی لعنت اور ضد و ہٹ دھرمی سے بچا کر راہِ اعتدال اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام کا ادنیٰ غلام

محمد خان قادری

جامعہ اسلامیہ لاہور

معد بن عدنان

مَنِ الْقَوْمُ رَسُوْلُ اللّٰہِ مِنْھُمْ
لَھُمْ وَاَنْتَ یَاقَابُ بَنِیْ مَعَدٍّ

حضرت مسیحؑ سے کوئی چھ۶ سَو برس پیشتر جب خدائے تعالےٰ نے عربوں کو ان کی بے دینی۔ بدعملی کفر و شرک اور قتلِ انبیاءؑ جیسے سنگین جرموں کی پاداش میں بخت نصر شاہِ بابل کے حملے سے تباہ کرنا چاہا۔ تو اس وقت کے انبیائے بنی اسرائیل حضراتِ برخیاؑ اور یرمیا (علیہم السلام) کو حکم کیا کہ عرب قوم میں سے ایک لڑکے معد بن عدنانؑ نام کو وہاں سے لیکر الگ کر لو۔ کیونکہ میں اس کی نسل سے خاتم الانبیاء رسول (صلعم) پیدا کرنے والا ہوں حضرات یرمیاؑ اور برخیاؑ نے اس حکم کی تعمیل میں حضرتؑ معد کو عرب سے لیکر حرانؑ میں (جو حضرت نے اس حکم کی تعمیل میں حضرت معدؑ کو عرب سے لے کر حرانؑ میں (جو حضرت ابراہیمؑ کا اصل اور آبائی وطن تھا) اپنے پاس رکھا۔ اور اس کی تربیت کرنے لگے، اس وقت حضرت معدؑ کوئی بارہ سال کے تھے۔

بخت نصر نے عرب پر حملہ کیا۔ عدنانؑ نے کہ بڑے نامی شخص تھے عربوں کو جمع کر کے مقابلہ کیا۔ لیکن عرب پر یہ حملہ خدائی انتقام کا دھاوا تھا۔ عربوں کو شکست ہوئی۔ شاہِ بابل نے عربوں میں سے بعض کو تیغ گھاٹ اتار کر دریائے خون میں غرق کیا۔ اور بعض کو پابجولاں اسیر کر کے بابل لے گیا۔ اور بعض دیگر بھاگ کر جنگلوں میں جا چھپے۔ عدنان بھی انہی میں تھے۔

تاریخ ابن خلدون میں اور بعض دیگر کتبِ تواریخ میں ایسا ہی لکھا ہے، جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور بائبل میں بھی کتاب یرمیاہ نبی میں اس حملہ کا ذکر اب تک

موجود ہے۔ لیکن حضرت معدّ کی بابت جو ذکر ہے۔ وہ سب کا سب نہایت ہوشیاری سے نکال ڈالا گیا ہے۔ (کتاب یرمیاہ نبی ۹ ہم: ۲۸/۲۹)

عدنان کے چھ بیٹے تھے، یہ عرب کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئے جہاں پر ان کی اولاد کثرت سے پھیلی۔

جب بخت نصر شاہِ بابل مر گیا۔ اور بعض انبیائے بنی اسرائیل حج کے لیے مکہ میں آئے، تو حضرت معدّ بھی انکے ہمراہ آئے، یہاں آکر اپنے باقی بھائیوں اور چچیروں کو جو عدنان کی اولاد سے تھے ملے، یہ لوگ یمن کے علاقوں میں آکر آباد ہو گئے تھے، اور اور انہی لوگوں میں بیاہ شادی کر چکے تھے، اور اہل یمن نے ان لوگوں سے بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ کے سسرال جُرہم تھے۔ اور وہ اہلِ یمن کے بزرگ تھے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

تَوَکَّنَا الْمَدِیْنَۃَ اِخْوَتَنَا دَعَکَّاً ۔۔۔ اِلٰی سَمَرَنَ فَانْطَلَقُوْا اِسْوَاعاً

وَکَانُوْا مِنْ عَدْنَانَ حَتّٰی ۔۔۔ اَضَاعُوْا الْاَمْرَ بَیْنَھُمْ فَضَاعًا

مضر حضرت معدّ نے دریافت کیا کہ کیا حارث بن مضاض جرہمی کی اولاد سے بھی کوئی باقی ہے؟ لوگوں نے کہا۔ ہاں! جرشم بن جلہد جرہمی موجود ہے۔ حضرت معدّ کی شادی جرہم کی بیٹی معانہ سے ہو گئی، اور اس سے ان کا بیٹا نزار[1] پیدا ہوا۔ حضرت معدّ کے دیگر بیٹے بھی تھے۔ لیکن نزار بہت نامور ہوئے، نزار کے چار بیٹے تھے۔ ان میں سے

---

[1] حضرت معد نہایت قوی اور بہادر جوان تھے۔ سادہ زندگی گزارتے تھے جس کی وجہ سے موٹا پہننے اور سادہ زندگی گزارنے کو تمعدو کہنے لگے۔ یعنی حضرت معد جیسی سادگی اختیار کرنا۔ اسی محاورہ میں سے حضرت عمرؓ کا قول ہے تمعدوا وتمعززوا واخشوشنوا (سہیلی ج ۱۔ ص) یعنی معد جیسی سادگی بھیڑ جیسا صبر اختیار کرو اور موٹا کپڑا پہنو کیونکہ باریک لباس اور لطیف غذائیں انسان کو نازک طبع اور آسائش پسند بنا دیتی ہیں

ممتاز شخصیت مضر کی تھی، جس کے نام پر قبیلۂ مضر ہے۔ اور جو بنی عدنان کے دیگر قبائل کی نسبت حجاز میں بلحاظِ تعداد کے زیادہ تھا۔ اور برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک نہایت زبردست رہا۔ کعبۃ اللہ کی ولایت و ریاست انہی کی تھی۔

کنانہ مضر کی اولاد میں سے چوتھے درجے پر کنانہ ہوئے جن کی اولاد کی کئی شاخیں ہوئیں، حدیث میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وُلْدِ	یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
اِسْمٰعِیْلَ وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا	نے فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ نے اولادِ
مِنْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ	اسمٰعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو
قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ	اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش
مِنْ بَنِیْ ھَاشِم رواہ مسلم	میں سے بنی ہاشم کو پسند کیا۔ اور بنی
(مشکوٰۃ)	ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ کیا"

نضر کنانہ کے بیٹوں میں سے نضر بہت مشہور ہوئے، ان کی سکونت بھی مکہ میں رہی، عام مؤرخین کے قول کے مطابق سب سے پہلے قریش کا لقب نضر ہی کو ملا۔ اور نضرؔ کی اولاد کی سب شاخیں قریش کہلائیں۔ کیا بنی تیم جن سے حضرت ابوبکر رضؓ ہیں اور کیا بنی عدیؔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضؓ ہیں۔

فہر بعض کا قول ہے۔ کہ قریش کا لقب فہرؔ کو ملا۔ جو نضرؔ کے پوتے تھے۔ یہ بھی خاص شہرت رکھتے تھے۔

قصیؔ فہر سے نیچے چھٹی پشت میں قصیؔ ہوئے، جو قریش میں ایک خاص شہرت کے نامور رئیس تھے۔ انہوں نے قبیلۂ قریش کو یکجا جمع کیا اور ان میں قومی وحدت کی بنیاد ڈالی۔ اسی بناء پر بعض کا قول ہے کہ قریش کا

لقب انہی کا ہے، انہوں نے بہت سے نمایاں کام کئے۔ جن کی وجہ سے
ان کو قوم میں خاص امتیاز و اعزاز حاصل ہوا۔

محاکمہ | حدیث مذکور الصدر میں غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔
کہ قریش کا لقب سب سے پہلے نضرؔ کو ملا۔ اور فہرؔ اور قصیؔ کو بدیں
وجہ خصوصیت سے قریش سے ملقب کیا گیا۔ کہ ان کے کارہائے قومی
میں قرشیتؔ کے معنی اور اس کی حقیقت یعنی غلبہ و جمعیت نمایاں
طور پر پائی گئی۔ واللہ اعلم!

عبد مناف | قصیؔ کے چار بیٹے تھے۔ جن میں سے سب سے
نامور عبد مناف ہوئے یہ بہت خوبصورت تھے۔ اس لیئے ان کو قمر
البطحاء بھی کہتے تھے۔ یعنی سنگستانِ مکہ کا چاند۔
انہی کے حق میں کسی نے کہا تھا ؎

كَانَتْ قُرَيْشٌ بيضَةً فَتَفَلَّقَتْ
فَالمُحُّ خَالِصَةٌ لِعَبْدِ مَنَافِ

ابنِ خلدون ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

اَمَّا عَبْدُ مَنَافٍ فَهُوَ صَاحِبُ شَوْكَةٍ فِي قُرَيْشٍ وَسَنَامُ الشَّرَفِ	یعنی عبد مناف قریشیوں میں بڑے صاحبِ شوکت تھے۔ اور بزرگی کے کوہان تھے۔"

مطلب | ان کے بھی چار بیٹے تھے ہاشمؔ جو آنحضرت صلعم کے پر دادا تھ

عبد شمسؓ جو بنی امیہ کے جدِ اعلیٰ ہوئے۔ جنہوں نے اپنے بھائی ہاشم کی وفات کے بعد اپنے یتیم بھتیجے شیبہؔ کی پرورش کی، اور ان کے نام پر شیبہ عبد المطلب کہلائے یعنی مطلب کے پرورده، امام شافعیؒ انہی مطلب کی اولاد میں سے ہیں۔ چوتھا بیٹا نوفلؓ تھا۔ یہ چاروں بلند اقبال اور با اقتدار ہوئے، اور ان کی وجہ سے قریش کی عزت و عظمت اندرونِ عرب و حجاز کے علاوہ عرب کے ہمسایہ بادشاہوں کے ہاں بھی بہت زیادہ ہو گئی اس لئے ان کا مجموعی نام "یعنی خوشحال کرنے والے اور شکستگی کے مرمت کرنے والے" پڑ گیا۔

ہاشم

بنی عبدِ مناف میں سے ہاشم نہایت نامور ہوئے، ایسے کہ ان سے پہلے قریشیوں میں بہت اوپر تک اس رتبہ کا کوئی دوسرا نہ ہوا تھا۔ ان کا اصل نام عمروؔ تھا۔ ہاشم اس وجہ سے پڑ گیا کہ ایک دفعہ مکہ شریف میں سخت قحط پڑا۔ جنابِ عمرو امیر کبیر ہونے کے ساتھ نہایت بامروت و عالی حوصلہ بھی تھے فلسطین کو نکل گئے بہت بڑی مقدار آٹے کی بوریوں کی اونٹوں پر لاد کر مکہ میں لائے، اونٹ ذبح کئے گئے، آٹے کی روٹیاں پکنے لگیں اور بغیر اپنے پرائے کی تمیز کے تمام اہلِ شہر میں تقسیم ہونے لگیں، یہ روٹیاں توڑ توڑ کر اور شوربے میں بھگو بھگو کر کھلائی جاتی تھیں۔ ھَشْو کے معنی ہیں، "توڑنا" اور عرب میں اس قسم کے کھانے کو ھَشِیم اور ثرید کہتے ہیں اس لیے عمروؔ کا نام ہاشم پڑ گیا۔ یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ سارا آٹا اور اونٹوں کا گوشت ختم ہو گیا۔

اس عام فیاضی سے ہاشم کا نام اور اثر دور دور تک عام طور پر اور اہل مکہ

میں خاص طور پر بہت بڑھ گیا۔ جس سے ہاشم کے بھتیجے امیہ بن عبدِ شمس کو حسد آیا۔ امیہ بھی مالدار تھا۔ اس نے بھی نہایت تکلّف سے ہاشم جیسی کرتوت کرنی چاہی۔ لیکن مقصد بر نہ آیا۔ بلکہ نہایت خِفّت حاصل ہوئی۔ اور یہ امر بنی ہاشم اور بنی امیہ میں عداوت کا بنیادی پتھر قرار پایا۔

ہاشم سرکاری درباری آدمی اور صاحبِ وجاہت تھے، دوسرے علاقوں کے بادشاہوں کے ہاں باریابی کی عزت رکھتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی، کہ قریش کعبۃ اللہ کے متولی ہونے کے سبب تمام عرب اور بیرونِ عرب میں بھی نہایت عزت اور امتیاز کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

چونکہ قریش کے کئی ایک خاندان تھے، اس لیے اعزاز کے مختلف عہدے مختلف خاندانوں میں منقسم تھے۔ چنانچہ رفاوت یعنی حُجّاج کی مہمان نوازی کا انتظام اور سقایت یعنی ان کو زمزم کا پانی پلانے کی خدمت جنابِ ہاشم کے سپرد تھی۔ اور لِواء یعنی جنگی علمبرداری ہاشم کے چچا عبدالدار کے بیٹوں میں تھی۔

ہاشم اپنے فرائض کی انجام دہی میں چست اور باہمت ہونے کے علاوہ نہایت قابل و مدّبر و منتظم بھی تھے۔ سقایت کا انتظام یوں کیا کہ زمزم کا پانی چرمی حوضوں میں بھروا کر (چاہِ زمزم کے قریب اور میدانِ منیٰ میں) سبیلیں لگوا دیں، اور رفاوت کا اہتمام تو نہایت ہی قابلِ ستائش ہے ابنِ خلدون کے الفاظ یہ ہیں :-

فاحسن هاشم ماشاء فی اطعام الحاج و اکرام وفدهم !	یعنی ہاشم نے حجاج کے کھانا کھلانے اور ان کے وفدوں کے اعزاز و اکرام کی خدمت کو حسبِ پسند دل کھول کر

نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

اس کی صورت یہ ہوتی کہ جب ذی الحج کا چاند چڑھتا تو جنابِ ہاشم قوم کو جمع کر کے اپنی قوم قریش سے نہایت فصیح الفاظ اور بلیغ عبارت میں خطاب کرتے اور زائرینِ بیت اللہ کی مدارات اور خاطر داری کی ترغیب دیتے، پہلے اپنے چندے کا اعلان کرتے، اور کہتے کہ میں اپنے طیب و حلال مال سے اتنی رقم پیش کرتا ہوں۔ جس کے حاصل کرنے میں، میں نے نہ تو کوئی قطع رحمی کی ہے اور نہ کسی قسم کا ظلم کیا ہے۔ اور نہ اس میں کسی دیگر طرح کی حرام وجہ کا دخل ہے۔ پس تم میں سے بھی جو شخص بھی سوائے حلال و طیب مال کے نہ دے۔ جس میں نہ تو قطع رحمی کی گئی ہو۔ اور نہ ظلم سے حاصل کیا گیا ہو۔ اور نہ غصب سے لیا گیا ہو۔ ان کی اس ترغیب و تحریص پر لوگ دھڑا دھڑ حلال و طیب مال سے رقوم پیش کر دیتے، اس جمع شدہ مال سے جنابِ ہاشم صاحب حجاج مسافروں کے کھانے وانے اور آرام و آسائش کا انتظام نہایت خوبی سے انجام دیتے۔"

یہاں تک ہی نہیں بلکہ جنابِ ہاشم صاحب کو اپنی قوم کی ترقی اور سہولتوں کی طرف بھی خاص توجہ تھی۔ چنانچہ شام۔ روم اور غسان کے عیسائی بادشاہوں سے قریش کے تجارتی امن و امان اور معافی محصول کے فرامین حاصل کئے چنانچہ قریشی تاجر نہایت امن سے جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام کے علاقوں میں تجارتی سفر کرتے تھے قرآنِ شریف میں قریش کے ان ہر دو سفروں کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ اِلٰفِهِمْ	یعنی قریش کو الفت دلانے کی
رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ	وجہ سے (یعنی) ان کو جاڑے اور

وقریش پ ۳۰ گرمی میں سفر کی الفت دلانے کی وجہ سے،

ان ہر دو تجارتی سفروں کی بنیاد بھی حضرت ہاشم ہی نے ڈالی تھی (معالم وغیرہ) عرب میں قزاقی و رہزنی عام طور پر تھی، نہ تو کوئی حکومت تھی کہ سیاسی رعب و انتظام ہوتا۔ اور نہ ان کے پاس کوئی شریعت تھی۔ کہ اس کی پابندی سے امن کا قیام ہوتا۔ خودسری و خودمختاری کا جن سب پر سوار تھا۔ اور لوٹ مار ان کا دن رات کا کاروبار تھا۔ خیر حُجاج کے قافلے تو حج کی برکت سے محفوظ رہتے تھے۔ لیکن دیگر مہینوں میں امن کی صورت مشکل تھی۔ حضرت ہاشم صاحب نے اس ضرورت کو سمجھا۔ اور مختلف قبائل میں دورہ کر کے ان سے قیامِ امن کے معاہدے کئے یہی وجہ تھی کہ باوجودیکہ ملک میں عام طور پر غارت گری ہوتی تھی۔ لیکن قریش کے قافلے محفوظ رہتے تھے۔

جنابِ ہاشم حسب عادت ایک دفعہ تجارت کے سفر کو نکلے۔ لیکن یہ آخری سفر ہوا۔ اور ایسے نکلے کہ پھر مکہ میں واپس نہ آئے۔ اور ملکِ شام کے شہر غزہ میں فوت ہو گئے۔

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ"

یہ اپنے دیگر بھائیوں میں سب سے پہلے فوت ہوئے، ان کے بعد رفادت اور سقایت کی خدمت ان کے دوسرے بھائی مطلب کو ملی۔

مطلب

مطلب بھی اعلیٰ قابلیت کے شخص تھے۔ اپنے فرائض کو نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔ علامہ ابنِ خلدون ان کے اوصاف میں لکھتے ہیں :-

وَكَانَ ذَا شَرَفٍ وَّفَضْلٍ	صاحبِ فضیلت و شرافت تھے،
وَكَانَتْ قُرَيْشٌ تُسَمِّيهِ	قریش ان کو جوانمردی، بلند ہمتی اور
الْفَضْلَ لِسَمَاحَتِهٖ	سخاوت کی وجہ سے الفضل یعنی
	فضیلتِ مجسم کہتے تھے۔

عبدالمطلب بن ہاشم

الکریم ابن الکریم

کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے ٭ رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

حضرتِ ہاشم نے مدینہ میں جسے اس وقت یثرب کہتے ہیں، قبیلۂ بنی نجار کی ایک صاحبِ حسب ونسب اور ذی عزت بیوہ خاتون سلمیٰ نام سے نکاح کیا۔ جس کے بابرکت بطن سے ایک روشن اختر۔ فیروز بخت، بلند قدر فرزند پیدا ہوا۔ اس مولود کے سر میں کچھ بال سفید تھے۔ اس لیے اس کا نام شیبہ (بڈھا) رکھا گیا۔ شیبہ ابھی صغیر سن ہی تھے۔ کہ سر سے باپ کا سایہ جاتا رہا اس وقت یہ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ اپنے ننیال میں تھے۔ اس لیے وہیں اپنے ماموں کی زیرِ کفالت پرورش پاتے رہے ماموں نے کئی سال تک نہایت شفقت و پیار سے اپنے یتیم بھانجے کی پرورش کا حق ادا کیا۔ ایسا کہ آزردگی کا خیال تک بھی ان کے دل پر نہ آنے دیا۔

جب یتیم شیبہ کی عمر کوئی سات آٹھ سال کی ہوئی تو ان کا چچا مطلب مدینہ میں آیا۔ کہ اپنے یتیم بھتیجے کو اپنی کفالت میں لیکر اس کی تربیت

اپنی نظر کے سامنے کرے، مادرِ مہربان کا غمزدہ دِل عزیز بچے کی جدائی کو گوارا و برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن یہ بیش بہا امانت صاحبِ امانت مطلّب کے حوالے کرنی پڑی۔ گویا ان کی حالت وداع کے وقت یہ کہہ رہی تھی ؎

مے روی و مے رَوَد جانم بتو
خوش بَرو فَاللّٰہُ خَیرٌ حَافِظًا

صاحبِ مروّت و باہمت چچا نے جس طرح اپنے مرحوم بھائی کے فرائضِ قومی کے انجام دینے میں سچی جانشینی کا ثبوت دیا۔ اسی طرح اس یتیم بچے کی کفالت و تربیت کا حق بھی پورا پورا ادا کیا مطلب کی کفالت میں تربیت پانے کی وجہ سے اب شیبہ عبدالمطلب یعنی مطلّب کے پروردہ[1] کہلانے لگے۔

---

[1] عبدیت کئی طرح پر ہے۔ مخلوق کو بھی عبد کہتے ہیں اور یہ نسبت صرف ذاتِ حق سے مختص ہے زرخرید غلام (مملوک) کو بھی عبد کہتے ہیں، جیسے آیت ضَرَبَ اللّٰہُ عَبْدًا مَّمْلُوْکًا (پ۱۴ نحل) میں اور مجازاً خدمتگار و تابعِ فرمان کو بھی عبد کہہ لیتے ہیں، عام اس سے کہ جبر و قہر سے غلام بنالیا ہو، جیسے فرعون نے احرار و شرفائے بنی اسرائیل کو بنا رکھا تھا۔ یا کوئی خود اپنے تبرعِ قلب و اعتقاد سے کسی کا پرستار بن گیا ہو، جیسے عبدۃ الاوثان اور جملہ غیر اللہ پرست اور مربوب و پروردہ کو بھی عبد کہہ لیتے ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے العبد الانسان حرا کان او رقیقا یذھب بذالک الی انہ مربوب لبادیہ عزّ و جلّ اسی معنی کی رو سے جناب شیبہ کا نام عبدالمطلب پڑ گیا یعنی مطلب کا پروردہ ۱۲ منتہ الماع چونکہ لفظ عبد کا ایک مفہوم وہ بھی ہے جو صرف ذاتِ حق کی طرف منسوب ہو سکتا ہے یعنی خلق کی نسبت صرف خدائے تعالیٰ کی طرف صحیح ہو سکتی ہے، اس لئے آنحضرت صلعم نے اس (بقیہ حاشیہ بر صفحہ

رجوع بمطلب کچھ عرصہ بعد جنابِ مطلب یمن کی طرف تجارت کو گئے اور ایسے گئے کہ اپنے بلند قدر برادر کی طرح پھر واپس نہ آئے، اور اسی علاقہ میں بمقام ردمان فوت ہو گئے، ان کے بعد ان کی سرداری کے سب عہدے ان کے پیارے اور لاڈلے بھتیجے عبدالمطلب کی طرف منتقل ہوئے[۱]

(بقیہ حاشیہ) لفظ کی نسبت خدا کے سوائے کسی اور کی طرف کرتے سے منع فرما دیا (صحیح مسلم) چاہے کوئی دیگر معنے مراد رکھے، تاکہ شرک کا وہم بھی نہ پڑے، اور اس حکم میں شریعتِ مطہرہ کی نہایت باریک بینی ہے۔

(۲) نیز اس میں ایک سیاسی نکتہ بھی ہے کہ جس طرح ایک موحد مسلم کی پیشانی خدا کے سوا کسی اور کے آگے نہیں گرتی اور اس کی کمر غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکتی اس طرح اس کی باطنی نسبت اور کسی کا غلام ہو کر رہنا بھی کسی دیگر سے وابستہ نہ ہو، اس سے مسلمان کی ذہنیت کو سفل کی طرف گرنے سے بچا کر بلندی پر چڑھایا ہے اَللّٰھُمَّ کُلُّنَا لَکَ عَبِیْدٌ - ۱۲ منہ

[۱] مطلب کا ذکر ہم نے عبدالمطلب کے ذکر میں تفصیل سے کیا ہے حالانکہ وہ عمودِ نسبِ نبوی سے نہیں ہیں، بلکہ آپ کے پردادا ہاشم کے بھائی ہیں، اول اس لیے کہ عبدالمطلب کی پرورش کے ذکر میں مطلب کا ذکر ضروری ہے، دوم اس لیے کہ ہاشم کی وفات کے بعد ان کے فرائضِ مفوضہ کا انصرام مطلب کے ہاتھ میں رہا۔ پھر مطلب کی وفات کے بعد عبدالمطلب کی طرف منتقل ہوئے گویا مطلب صاحب عبدالمطلب کی صغر سنی میں بطور گارڈین فرائض انجام دیتے رہے، پس حضرت ہاشم اور عبدالمطلب کے ذکر کے درمیان سلسلۂ خدمات کو مسلسل دکھانے کے لئے مطلب صاحب کا ذکر ضروری تھا ۱۲ منہ

جنابِ عبدالمطلب کو اپنے باپ کی وراثت میں سے جو کچھ اُن کے چچا مطلب سے ملا تھا اس میں سے جو چند قطعاتِ اراضی تھے، ان پر ان کے دوسرے چچا نوفل بن عبد مناف نے جبراً قبضہ کر لیا۔ اور عبدالمطلب کو دینے سے انکار کر دیا۔ عبدالمطلب نے مدینہ شریف میں اپنے ماموں کو ایک نہایت فصیح و بلیغ منظوم خط لکھا۔ جو ان کی جادو بیانی اور قادرالکلامی کی دلیل ہے۔ جسے ہم بصد افسوس اس لیے درج نہیں کر سکتے کہ مسلمان! "ہاں پیغمبرِ عربی کے اکثر نام لیوا" زبانِ عربی کے سمجھنے سے قاصر ہو گئے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے اس حالتِ تنعّم کا ذکر کیا ہے۔ جس میں وہ اپنے ماموں کے ہاں پرورش پاتے تھے، پھر اپنے چچا مطلب کے ساتھ مکّہ شریف میں آنے اور مطلّب کی کفالت و تربیت کا ذکر کیا ہے۔ پھر نوفل کے غصب کا شکوہ کیا ہے، پھر اپنے ماموں کو ابھارا ہے کہ یہاں آکر میرے غاصب چچا سے میرا حق لے کر دیں۔ کل دس شعر ہیں ان میں سے ہم بنظرِ اختصار تین شعر بلا رعایتِ ترتیب انتخاب کر کے لکھتے ہیں ؎

قَدْ کُنْتُ فِیکُمْ وَلَا اَخْشٰی ظُلَامَۃَ ذِی ظُلْمٍ عَزِیْزًا مِیْنُھَا نَاعِمُ الْبَالِ

"جب میں آپ لوگوں میں تھا تو مجھے کسی ظالم کے ظلم کا خوف نہ تھا۔ اور میں ہر طرح سے محفوظ اور خوشحال تھا۔"

فَغَابَ مُطَّلِبٌ فِی قَعْرِ مُظْلِمَۃٍ وَقَامَ نَوْفَلُ کَیْ یَعْدُوْ عَلٰی مَالِیْ

"اب مطلّب تو اندھیری قبر کے گڑھے میں غائب ہو گیا ہے۔ اور نوفل میرے مال پر تعدّی کرنے کیلئے کھڑا ہو گیا ہے۔"

فَاسْتَنْھِضُوْا وَامْنَعُوْا ضَیْمَ ابْنِ اُخْتِکُمْ لَا تَخْذُلُوْہُ وَمَا اَنْتُمْ بِخُذَّالِ

"پس اٹھ کھڑے ہو اور اپنی ہمشیرہ کے بیٹے کے ظلم کو دور کرو، اور اُسے پچھاڑ دو اور

آڑے وقت میں کسی کا ساتھ نہ دینا تمہارا شعار نہیں ہے۔" (ابنِ جریر طبری)

اس خط کے پہنچنے پر آپ کے ماموں اسّی بہادروں کی جماعت بن کر مکّہ شریف میں پہنچے اور اپنے یتیم بھانجے کا حق اس کے غاصب چچا سے بزور دلوا کر مدینہ شریف کو لوٹ گئے۔

عبدالمطلب کے فضائلِ پر اجمالی نظر

عبدالمطلب اپنے امورِ مفوضہ کے سرانجام دینے عام فیاضی، زائرین بیت اللہ کی خدمت اور بےکسوں اور مظلوموں کی امداد و فریاد رسی، قومی ہمدردی اور شہرت و ناموری اور عام مقبولیت میں اپنے نامور باپ ہاشم کے سپوت ثابت ہوئے اور ناموری کے ان مدارج و مراتب پر پہنچے کہ حضرتِ اسمٰعیلؑ کے بعد بہت اوپر تک ان کے آباؤ اجداد میں سے کوئی نہ پہنچا تھا۔ ان کی عام فیاضی اور جود وسخا کی وجہ سے لوگ ان کی تعریف کے گیت گاتے تھے اور ان کو شیبۃ الحمد کہتے تھے، مؤرخ ابنِ خلدون آپ کو ان الفاظ میں یاد کرتا ہے:۔

واقام الرفادۃ والسقایۃ للحاج علی احسن ما کان قومہ یقیمون بمکۃ من قبلہ وکانت لہ وفادۃ علی ملوک الیمن من الحمیر والحبشۃ!

(صفحہ ۳۳۷، جلد ثانی)

یعنی عبدالمطلب نے حُجاج کے لیے سقایت و رفادت کی خدمت کو اس حالت سے زیادہ احسن طور پر قائم کیا جو مکہ میں ان سے پیشتر ان کی قوم کرتی تھی اور وہ حمیر خاندان کے ملوکِ یمن اور ملوکِ حبشہ میں باریاب بھی تھے۔

علامہ محمود شکری آلوسی نے اپنی بےنظیر کتاب "بلوغ الارب فی احوال العرب" میں عبدالمطلب کی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان نہایت زور دار

الفاظ میں بیان کی ہے۔ لیکن پھر بھی حق ادا نہیں ہو سکا۔ کیونکہ عبدالمطلب کی شان بیان کرنے کے وقت واقفِ حال شخص کا دماغ حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ باپ بیٹے کا فرق یوں بیان کر سکتے ہیں۔ کہ باپ کے فضائلِ اعلےٰ سے اعلےٰ عبارت میں بیان کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس کی شخصیت کی عظمت ایک حد تک اپنے پڑھنے سننے والوں کو سمجھا سکے ہیں۔ لیکن بیٹے کی نسبت ایک بلیغ بیان کے بعد بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم حقیقتِ واقعی کے بیان کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ بھی بیان کیا جائے عبدالمطلب کی شان اس سے بہت بلند نظر آتی ہے۔ میں ان کی تعریف میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ع

لَا یُدْرِكُ الْوَاصِفُ الْمُطْرِی خَصَائِصَهٗ

میرے سامعین میرے اس بیان کو مبالغہ خیال نہ کریں اور نہ محض فرطِ محبت یا حسنِ عقیدت کا نتیجہ قرار دیں۔ میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں کہ میری رائے کی بنا حسنِ ظنی اور خوش اعتقادی پر نہیں۔ بلکہ حقیقتِ نفس الامری پر ہے۔ ہاں اتنا پھر عرض کیئے دیتا ہوں۔ کہ عبدالمطلب کو دیکھنے کے لیے زمانۂ کفر و جاہلیت کی عینک نہ لگائیں۔ اس کی پیشانی میں خدا کے برگزیدہ رسول ص کا نور تھا۔ جس کے دیکھنے کے لیے ایسی آنکھ کی ضرورت ہے۔ جس کی نور افزائی بصیرتِ حقانی نے کی ہو۔ اس کی پشت ختم نبوت کی امانت کی متحمل تھی۔ جس کی وجہ سے وہ ابرہہ جیسے جابر کے سامنے بھی خمیدہ نہ ہوئے جیسا کہ انشاءاللہ مذکور ہو گا۔

اگرچہ عبدالمطلب کی شان میرے بیان سے بہت بلند ہے۔ لیکن پھر بھی بلفحوائے مَا لَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ لوگوں کے ذہنوں میں اس جامعِ جلال و جمال ہستی کی عظمت کا تصور جمانے کے لیے علامہ

محمود شکری کی عبارت کا خلاصۂ مطلب اپنے الفاظ میں مع بعض زیادات کے بیان کیے دیتا ہوں واللہ الموفق۔

صورت وسیرت

قد[۱] کے لانبے۔ بدن[۲] کے سڈول تھے، نہایت[۳] خوبصورت، صاحبِ[۴] وجاہت و پُرہیبت تھے۔ چہرے[۵] سے نجابت و شرافت ٹپکتی تھی اور رخساروں[۶] سے جلالت و عظمت کی شعاعیں نورافشاں تھیں۔ بڑے[۷] سے بڑا اجنبی بھی صورت وجلالت کی تاب نہ لاکر تعظیم کیے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ جب ابرہہ اشرم واشرم عیسائی نے ہاتھیوں کے لشکر سے خانۂ کعبہ پر چڑھائی کی، اور اس کے لشکری جناب عبدالمطلب صاحب کے اونٹ پکڑ کر لے گئے، اور آپ اپنے اونٹوں کی خاطر ابرہہ کے پاس گئے، تو ہر چند کہ آپ سے اس کی جان پہچان نہ تھی۔ لیکن پہلی ہی ملاقات میں محض آپ کی صورت دیکھنے سے اس کے دل پر آپ کی عظمت کا اتنا اثر پڑا کہ وہ اپنے تختِ شاہی سے اتر کر آپ کے برابر ہو بیٹھا (جس کی تفصیل انشاءاللہ آگے آئے گی) آپ[۸] کا سر بڑا تھا۔ جو حکمت اور دانائی سے پُر تھا۔ سینہ[۹] چوڑا تھا۔ نہایت[۱۰] فراخ حوصلہ اور حلیم تھے۔ مصائب[۱۱] میں لوگوں کی جائے فریاد اور مشکلات میں ان کی جائے پناہ تھے۔ آپ کیا کمالات کے رو سے اور کیا کارناموں کے لحاظ سے بغیر مزاحمت وانکار اور بلا مقابلہ واعتراض قبیلہ قریش کے سردار اور مسلّم بزرگ تھے، اپنے پرائے سب آپ کی عزت کرتے تھے، اور آپ کی اطاعت کو موجب فخر جانتے تھے۔

عبدالمطلب کی فیاضی اور مقبولیت

آپ مستجاب الدعوات تھے،

جود وسخا میں شہرۂ آفاق تھے، آپ کا دستر خوان صرف بنی آدم ہی کے لیے
مخصوص نہ تھا۔ بلکہ جنگل کے وحشی اور ہوا کے پرندے بھی اس سے متمتع
ہوتے تھے۔ چنانچہ آپ جنگلی جانوروں اور پرندوں کے لیے پہاڑوں کی
چوٹیوں پر ان کی روزی پہنچاتے تھے، اسی وجہ سے آپ کو الفیاض بھی کہتے
تھے۔

دینداری و پرہیز گاری

آپ نے اخیر عمر میں شرک و بت پرستی چھوڑ دی تھی[1]۔ اور ملتِ ابراہیمیؑ پر قائم ہو کر
ہو گئے تھے، شراب، زنا، ظلم۔ بغاوت۔ دختر کشی۔ ذی محرم عورتوں
سے نکاح کرنے اور بیت اللہ شریف کا طواف ننگے ہو کر کرنے سے منع
کرتے تھے۔ عمر بھر کبھی شراب کے نزدیک نہیں پھٹکے۔ اپنی اولاد کو خسیس
اخلاق اور پست خیالات سے روکتے تھے، اور اخلاقِ فاضلہ کی تحصیل
کی تاکید کرتے تھے، عاقبت میں جزا سزا کے قائل تھے، آپ فرماتے
تھے کہ ظالم ظلم کا خمیازہ بھگتنے کے بغیر دنیا سے رخصت نہیں ہوتا۔ اتفاق
سے اہلِ شام میں سے ایک مشہور ظالم مبتلائے مصائب ہونے کے بغیر
گیا۔ اس کی بابت کسی نے آپ سے پوچھا تو آپ نے تھوڑا سا فکر کرنے
کے بعد فرمایا۔ کہ اس گھر (دنیا) کے بعد ایک اور گھر (عاقبت)
ہے۔ جس میں نیکوکار کو نیکی کی جزا ملے گی اور بدکار اپنی بدی کی سزا
پائے گا۔

---

[1] یہ بناء بر قول علامہ آلوسی ہے ورنہ اس عاجز کی تحقیق ہیں وہ ہمیشہ سے
بت پرستی سے مجتنب رہے۔ کما سیجیٔ بیانہ، ۱۲ میر سیالکوٹی۔

عدل و انصاف

آپ حکامِ قریش سے تھے۔ یعنی ان مقتدر ہستیوں میں سے ہوتے ہیں جو قریش میں سے صاحبان حکم ہوئے ہیں۔ کہ لوگ اپنے معاملات و تنزاعات میں ان کی طرف رجوع کرتے اور ان کے فیصلے پر عمل کرتے تھے۔ فیصلہ میں آپ حق کے حامی اور صاحبِ عدل و انصاف تھے۔ عدل و انصاف عموماً مشکل کام ہے۔ لیکن جب کسی تعلق دار یا بڑے شخص کے خلاف کرنا پڑے تو مشکل تر ہوجاتا ہے۔ مگر ہاشم کے سپوت کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ حرب بن امیہ جو ابوسفیان کا باپ اور رشتہ میں آپ کا بھتیجا ہوتا تھا۔ آپ کا ندیم خاص تھا۔ قربِ رشتہ کے علاوہ دن رات کی یکجا نشست و برخاست اور باہمی صلاح و مشورہ کے سبب آپس میں کمال محبت تھی۔ حضرتِ عبدالمطلب صاحب کی ہمسائگت میں ایک یہودی رہتا تھا۔ اتفاقاً ایک روز بازار میں اس یہودی اور حرب میں بول چال ہو پڑی۔ یہودی نے حرب کے حق میں بہت سخت الفاظ استعمال کیئے۔ حرب کی نبضِ غیرت میں تیزی ہوئی۔ ایک شخص کو اشارہ کر کے اس یہودی کو مروا ڈالا۔ عبدالمطلب کو جب اس خونِ ناحق کی خبر پہنچی تو حرب کی ہمنشینی ترک کردی اور اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ اس سے یکصد اونٹیاں دیت (خون بہا) لے کر اس یہودی کے چچا کے بیٹے کو دلوادیں۔

عبدالمطلب کے کارنامے

عبدالمطلب اپنے فرائض کے انجام دینے میں ایک صاحبِ ہمت شخص تھے۔ کئی ایک ایسے کام انجام دیئے

جو آپ سے قبل کسی نے نہ کئے تھے۔ محدث ابنِ جریرؒ ان کی شان میں لکھتا ہے:۔

"مطلب کی وفات کے بعد سقایت و رفادت کی خدمت عبدالمطلب کے سپرد ہوئی۔ وہ اپنی قوم میں اس شرف و عظمت پر پہنچے کہ ان میں سے کوئی بھی انکے برابر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چاہِ زمزم کا اصلی مقام معلوم کر کے اسے از سرِ نو کھود کر تیار کیا۔ اور زمانۂ قدیم میں قوم جرہم نے جو دو ہرن سونے کے اسمیں دفن کئے تھے۔ وہ نکلوائے (یہی اس کے اصلی جگہ کا ثبوت ہے) اور (موضع) مرج القلعہ کی بنی ہوئی قدیم تلواریں اور زرہیں بھی نکلوائیں تلواروں سے تو خانہ کعبہ کے دروازہ کا ڈھانچہ بنوایا۔ اور طلائی ہرنوں کے سونے (کے پترے بنا کر) اس کے دروازے پر چڑھائے یہ پہلا موقع تھا۔ کہ کعبہ شریف کے دروازے پر سونا چڑھایا گیا"۔

(انتہیٰ مترجماً)

واقعۂ اصحاب الفیل

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد عبدالمطلب کے عہد کا بڑا مشہور اور اہم واقعہ ہے۔ حضور کا سوانح نگار جب آپؐ کی ولادت کے ذکر پر پہنچے تو اسے یہ واقعہ فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ قرآنِ شریف نے اسکو خاص اہمیت سے ذکر کیا ہے، یہ خانہ کعبہ کی غیبی حفاظت کا نہایت عظیم الشان نشان ہے اور حضورؐ کی ذاتِ والا صفات کی برکات میں سے ایک بڑی برکت ہے کہ اس سے پونے دو ماہ بعد بانئ کعبہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد میں سے کعبہ کے اصلی اور حقیقی متولی کی پیدائش ہونے والی تھی، جیسے کہ صبح صادق آفتابِ عالمتاب کے ظہور و نمود کے لیے بیّن شہادت اور بشارت ہوتی ہے صورتِ واقعہ مختصراً یوں ہے۔ کہ صوبہ یمن میں شاہِ حبشہ کے نائب ابرہہ اشرم[۱]

---

[۱] اشرم اس لیئے کہ ایک جنگ میں اس کا ایک کان اور ناک بھی کٹ گئے۔ ۱۲ منہ

عیسائی نے صفائے یمن میں قیمتی پتھروں کا گرجا بنایا۔ جس کا نام کلیس[1] رکھا اور اسے خوشنماء دل فریب بنانے کے لیئے ہر طرح کی اندرونی و بیرونی سجاوٹ سے مزیّن کیا۔ کہ لوگ کعبہ کی بجائے اس کا حج کیا کریں۔ وہاں کسی قریش نے آگ جلائی۔ آگ ہوا سے اڑ کر اس گرجے کو جا لگی۔ اس پیر ابرہہ بہت برہم ہوا۔ اور بہت بڑا لشکر ہمراہ لے کر مکہ شریف پر حملہ کر کے خانہ کعبہ کو گرانے کے لیے تیاری شروع کر دی۔ شاہِ حبشہ کی خاص سواری کا ہاتھی محمود نام اپنی سواری کے لیے منگوایا۔ اور دیگر بہت سے ہاتھی بھی ساتھ لیئے کہ خانہ کعبہ کو ٹکڑوں سے گرا دیں۔ لشکر کی تعداد بیس[2] ہزار بتائی گئی ہے۔ تعداد میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں۔ لیکن ہمیں کسی خاص تعداد سے بحث نہیں۔ ہاں اتنا ضرور کہتے ہیں کہ عربوں کے عرفِ عام میں اس واقعہ کو واقعۂ اصحاب الفیل کہتے ہیں۔ اور قرآنِ شریف نے بھی اس کا ذکر اصحاب الفیل کے نام سے کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تعداد زیادہ تھی۔ جس کی حد خدا کو معلوم ہے۔

یہ لشکرِ جرار منزل بمنزل سفر کرتا مکہ شریف کے قریب آ پہنچا وہاں قریشیوں اور دیگر لوگوں کے اونٹ چر رہے تھے، جن میں دو سو اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدّ امجد عبد المطلب کے تھے، وہ سب اونٹ حبشیوں نے پکڑ لیئے۔ عبد المطلب اپنے اونٹوں کی واگزاری کے لیے ابرہہ کے پاس گئے، آپ نہایت وجیہ و باوقار اور پر ہیبت و قد آور شخص تھے ابرہہ کے ہاتھی بان نے کہا۔

---

[1] غالباً کلیسیا کی یادگار کے لیئے یہ نام رکھا ہو گا ۱۲ منہ

"یہ قریش کے سردار اور مکہ کے قافلہ کے مالک ہیں۔ میدان میں لوگوں کو اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحشیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، ان سب سے نیک سلوک کرنا چاہیئے"

جب ابرہہ نے آپ کو دیکھا تو اس کا دل آپ کی عظمت سے بھر گیا۔ نہ تو یہ کر سکا کہ آپ کو فرشِ زمین پر بٹھائے اور خود تخت پر بیٹھا رہے، اور نہ یہ کر سکا کہ ان کو ساتھ تخت پر بٹھائے کیونکہ اپنی قوم سے اندیشہ تھا۔ کہ وہ اس امر کو گوارا نہیں کریں گے، وہ خود بہت حلیم اور کریم النفس تھا آخر کیا تو یہ کیا۔ کہ تخت سے اتر کر فرش پر آ گیا۔ اور جنابِ عبد المطلب صاحب کو ایک جانب اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اور ترجمان کے ذریعے آپ سے ملاقات کا مدعا پوچھا۔ آپ نے کہا آپ کے لشکری میرے دو سَو اونٹ پکڑ لائے ہیں وہ واپس دیدیئے جائیں۔ ابرہہ نے کہا۔ جب میں آپ کو دیکھا تھا تو میرا دل آپ کی عظمت سے بھر گیا تھا۔ لیکن جب آپ نے کلام کیا تو میری وہ رغبت جاتی رہی، کیا آپ مجھ سے اپنے دو سَو اونٹوں کی بابت کلام کرتے ہیں، اور کعبہ کے سوال کو چھوڑ دیتے ہیں، جو آپ کا اور آپ کے باپ دادوں کا دین ہے۔ میں تو اسے گرانے آیا ہوں لیکن آپ اس کی نسبت مجھ سے کوئی بات نہیں کرتے۔

عبد المطلب صاحب نے نہایت برجستگی اور متانت و سادگی سے جواب دیا۔

"میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ (اس لئے اونٹوں کی بات کرتا ہوں)
اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے، وہ خود اس کی حفاظت کریگا"

نہ چنانچہ اس سے تاریخی سنہ بھی شروع کر دیا ۱۲ امنہ

ابرہہ نے نہایت غرور و تکبر سے کہا "وہ اُسے مجھ سے بچا سکا" عبد المطلب نے کہا۔ آپ جانیں اور وہ جانے، آپ میرے اونٹ واپس دے دیجئے۔ خیر! ابرہہ نے آپ کے اونٹ واپس دے دیئے اور آپ نے ان کے گلوں میں کعبہ کی نذر کے طور پر پٹے باندھ دیئے اور خانہ کعبہ میں لے آئے اور خانہ کعبہ کا کنڈا پکڑ کر کہا ؎

یَا رَبِّ لَا اَرْجُوْلَهُمْ سِوَاكَا　　یَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاكَا

اِنَّ عَدُوَّ الْبَیْتِ مَنْ عَادَاکَا　　اِمْنَعْهُمْ اَنْ یُخَرِّبُوْا قُرَاکَا

۱۔ یعنی خداوندا! تیرے سوا مجھے کسی کی آس امید نہیں۔[1]

۲۔ خداوندا! ان (ظالموں) سے اپنے حرم محترم کو بچالے،

۳۔ بیشک اس گھر کا دشمن وہی ہے جو تجھ سے دشمنی رکھتا ہے؛

۴۔ تو (اپنی مہربانی سے) ان کو اپنے گھر کی تخریب سے روک لے۔

اس کے بعد عبد المطلب اور دیگر لوگ اپنے بچاؤ کے لیئے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔ جب صبح ہوئی تو ابرہہ نے مکہ شریف میں داخل ہونے کی تیاری کی۔ مہاوت نے ہاتھی کو اٹھایا۔ لیکن وہ نہ اٹھا۔ پھر مارنا شروع کیا۔ طبرزین کی ضربیں لگائیں، لوہے کی کھنڈیاں چبھو چبھو کر اس کے جسم کو لہولہان کر دیا۔ لیکن وہ نہ اٹھنے والا تھا نہ اٹھا۔ اگر اس کا منہ یمن کی طرف کر کے اٹھاتے تو اٹھتا اور دوڑ پڑتا۔ لیکن اگر مکہ شریف کی طرف چلانا چاہتے تو بیٹھ جاتا۔ اور جگہ سے نہ ہلتا۔ اللہ تعالٰے نے غیب سے جدہ کے سمندر کی طرف سے عجیب قسم کے پرندے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے ہر ایک کی چونچ اور دونوں پنجوں میں سجیل[2]

[1] یہ کلمۂ توحید ہے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ عبد المطلب بت پرست نہیں تھے سمجھیئے ۱۲ منہ۔

[2] یہ لفظ فارسی کے دو لفظوں سنگ گِل کو مرکب کر کے عربی وزن پر بنایا ہوا ہے؛ ۱۲ منہ۔

(پتھر کے کنکر) تھے۔ جس کسی کو وہ پتھر لگتے، اس کے اعضاء ساقط ہو جاتے۔ یہ حالت دیکھ کر لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی۔ اور لگے اندھا دھند بھاگنے۔ لیکن یہ قہرِ الٰہی کے پتھر تھے۔ نفیل بن حبیب خشعمی نے پہاڑ پر سے پکار کر کہا ؎

اَیْنَ الْمَفَرُّ وَالْاِلٰہُ طَالِبٌ وَالْاَشْرَمُ الْمَغْلُوْبُ غَیْرُ الْغَالِبِ

" یعنی جب خود خداوند تعالیٰ پیچھے پڑا ہوا ہے۔ تو بھاگنے کی جگہ کہاں مل سکتی ہے؟ اور ابرہہ نکٹا تو اب غالب نہیں بلکہ مغلوب ہے "۔

کچھ تو وہیں ڈھیر رہ گئے اور کچھ بھاگتے ہوئے گرتے پڑتے ہلاک ہوئے۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط

حکمت

پرندوں سے عذاب کرانے میں دو حکمتیں تھیں۔

اوّل یہ کہ انہوں نے زمین کے سب سے بڑے عظیم الجثہ اور قوی جانور سے خدا کے گھر کو ڈھانا چاہا۔ خدائے تعالےٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندوں سے ان کو ہلاک کرایا۔

دوسری یہ کہ خدا کو یہ منظور تھا۔ کہ یہ بھاگتے جائیں اور پرندے بھی ان کے پیچھے تعاقب میں اڑتے جائیں۔ اور پتھروں کے نشانے مارتے جائیں۔

غرض تمام لشکر مع ہاتھیوں کے اسی طرح ہلاک ہوا۔ لیکن ابرہہ کا حال سب سے برا ہوا۔ کہ وہ بھاگتا جاتا تھا اور اُوپر سے پرندے پتھر مارتے جاتے تھے، اس کا گوشت ایک ایک پورے کی مقدار پر کٹتا جاتا تھا۔ جہاں سے گوشت اڑتا وہاں پر پیپ پڑ جاتی، غرض وہ سخت بدحالی کی حالت میں یمن پہنچا۔ جہاں پر جا کر اس کا سینہ پھٹ گیا۔ اور وہ بہت بری طرح مرا۔

حکمت ابرہہ کے یمن میں پہنچا کر ہلاک کرنے میں یہ حکمت تھی کہ اُسے یمنیوں کے سامنے نشانِ عبرت بنایا جائے، جیسا کہ فرعون کو اس کے لشکر سے الگ کر کے دریا کنارے لگا کر ہلاک کیا۔ اور نشانِ عبرت بنایا۔

اعاذنا اللہ!

قرآن اور واقعۂ اصحاب الفیل

قرآنِ شریف میں اس واقعہ کو نہایت اہمیت سے ذکر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانِ والا شان کی حفاظت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خونخوار دشمنوں کی ناکامی و ہلاکت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، کہ اے پیغمبر! جب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے چندے پیشتر خانہ کعبہ کو ہاتھی والوں کے حملے سے بچا کر الٹا انہی کو ہلاک و تباہ کر دیا تھا۔ اور ان کے مقاصد میں ہر پہلو سے خائب و خاسر رکھا تھا۔ تو اب ہم آپ کو بھی جو کعبہ کے حقیقی وارث و متولی ہیں ہر طرح سے آپ کے دشمنوں کے مکائد سے بچائے رکھیں گے اور ان کو تباہ و برباد کر کے نامراد رکھیں گے، کیونکہ کعبہ کی حفاظت آپ ہی کی تولیت کے لیئے تھی قرآن کا اسلوبِ بیان اس حقیقت کو بالکل نمایاں کر رہا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ یعنی اللہ کے نام سے شروع جس کے جلال و کمال کے جلوے اس گھر میں نمایاں ہیں۔ کہ اس نے اسے اپنے دشمنوں کے لیئے قہر کی صورت اور اپنے دوستوں کے لیے امن و امان کی جگہ بنایا۔ اس کی صفت الرَّحْمٰن یہی ہے کہ اس نے اس

قہری تجلّی کو اپنے دشمنوں کے لیئے اپنے قہر کی دلیل بنایا کہ اسکی دشمنی سے پرہیز کریں، اسی طرح اس کی صفت الرحیم بھی ہے کہ اس نے اسکے امن کو اس بات کی دلیل بنایا کہ جس طرح اس میں داخل ہونے والا ہر طرح کے خطرے سے امن میں ہو جاتا ہے اسی طرح اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والا اور اسکی زیارت کے لیے فی سبیل اللہ سفر کرنے والا بھی عذاب سے امن میں ہو جاتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ یعنی کیا نہیں دیکھا آپ نے اے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وسلم علم متواتر سے جو چشم دید کے برابر ہوتا ہے۔ کَیْفَ فَعَلَ کیسے عجیب اور خارق عادت طریق پر کیا۔ جس سے عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ رَبُّكَ آپ کے پروردگار اور مالک نے جس کی ربوبیت کی عنایات آپ پر بیش از بیش ہیں۔

فؔ اس مقام پر رَبُّ هٰذَا الْبَيْتِ نہیں کہا۔ جس طرح کہ اس سے آگے سورتِ قریش میں کہا ہے۔ بلکہ اپنی ربوبیت کی اضافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی طرف مزید عنایت اور خصوصی توجہ جتلانے کے لیے کی ہے اور یہی اضافت اس سارے مضمون کی جان ہے۔

"بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ" ہاتھی والوں کے ساتھ"
یعنی اس لشکر کے ساتھ جو ہاتھی لے کر کعبۃ اللہ پر حملہ آور ہوئے تھے،

"اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ" کیا نہیں کیا ان کی بداندیشی کو"
یعنی ان کے برے منصوبے کو جو یہ تھا کہ خانہ کعبہ کو ہاتھیوں کی ٹکروں سے گرادیں اور اس کی بجائے لوگوں کو گرجائے کلیس کی طرف مصروف

و متوجہ کردیں۔

فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ " بیچ ناکامی اور خسارے کے "

یعنی ان کو ان کے مقاصد میں ناکام رکھا۔ کیونکہ وہ خدا کی مرضی کے خلاف کوشش کر رہے تھے، اگر وہ خدا کی مرضی کے ماتحت ہو کر اس گھر کی عزت و حرمت کے لیئے سعی کرتے تو سب اخراجات ثواب جزیل کا موجب بنتے۔ لیکن اب تو ہر طرح سے ناکام رہے اور اخراجات و مصارف اور مساعی و تگ و دو رائیگاں گئے اور اس کی صورت یہ بنائی کہ

اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ " بھیج دیئے اوپر ان کے " یعنی ان کے سروں کے اوپر ضعیف جانور طَیۡرًا یعنی پرندے اَبَابِیۡلَ جھنڈ کے جھنڈ " تاکہ بیس ہزار لشکر جرّار اور تمام ہاتھیوں پر پھیل جائیں۔ اور جدھر کو وہ بھاگیں ادھر ہی کا تعاقب کریں۔

تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ " وہ جانور مارتے تھے ان کو پتھر "

مِّنۡ سِجِّیۡلٍ یعنی تھے تو وہ مٹی کی جنس سے لیکن پتھر کی صورت میں متحجر کئے ہوئے تھے، یہ سنگریزے مقدار میں اس لئے چھوٹے رکھے، اور ضعیف جانوروں کے منہ اور پنجوں میں دیکر اس لیئے مارے گئے کہ اس میں ہماری قدرت کی نمائش زیادہ ہے کہ نہایت قوی لشکر کو ایک ضعیف جنس اور ضعیف آلہ (سنگریزوں) سے ہلاک کیا۔ اور انکی لاشوں کو سالم نہیں رہنے دیا بلکہ

فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ " پس کر دیا ان کو مثل بہائم کے چارے کے جو کاٹ کر اور چھوٹا چھوٹا کر کے کھانے کے قابل

بنایا جاتا ہے [1]

اور جانور اس کو کھا کر گوبر کی صورت میں اپنے پیٹوں سے خارج کر کے پھینک دیتے ہیں۔ اسی طرح ان پتھروں کی مار سے ان کے بدنوں کے اعضاء و اجزاء کو پورا پورا کر کے کاٹ دیا گیا۔ اور ان کو بالکل نیست و نابود کر دیا گیا۔ کیونکہ ان کا قصد بھی یہی تھا۔ کہ بیت اللہ شریف کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں، نیز اس صورت میں ان کی نہایت درجے کی تذلیل ہے۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ؕ

عبد اللہ بن عبد المطلب

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے والد ماجد)

مختلف بیویوں سے عبد المطلب کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ آنحضرت ؐ کے والد عبد اللہ، ابو طالب اور زبیر اور عبد الکعبہ یہ چار بیٹے اور حضرت

---

[1] جب یہ مضمون اخبار اہلحدیث میں چھپا تو بنارس کے ایک اہلحدیث نما محقق ملحد مولوی صاحب نے اپنا نام ظاہر کئے بغیر بوساطت دو طلباء ایک اعتراض طویل مضمون بذریعہ دفتر اہلحدیث بھیجا۔ جس کا مفصل جواب بنام الانتھام لدفع الاعتراض جلد ۲۹ میں نمبر ۳۶ سے نمبر ۴۸ تک چھپتا رہا۔ ان مولوی صاحب نے مرزائیوں (قادیانیوں) نیچریوں اور چکڑالویوں (نام کے اہل قرآن) کے بھی کان کاٹ دیئے ان مولوی صاحب نے قتادہ ؒ اور عبید ؒ جیسے جلیل القدر تابعین کا نام لے کر لکھا ہے:۔

" یہ پچھلے مفسرین قتادہ ؒ اور عبید جیسوں کی ایجاد ہے کہ انہوں نے لوگوں کو امر خارق

(بقیہ حاشیہ برصفحہ ۹۱)

کے سوا دیگر سب بیٹیاں ایک ہی ماں فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ سے تھے، جن کا نسب نامہ عبدالمطلب سے پانچویں پشت میں مرۃ بن کعب پر جا ملتا ہے عبداللہ اپنی ماں کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور عبدالمطلب کو سب سے زیادہ پیارے تھے، یہ پیار ایک قدرتی کشش کے ماتحت تھا۔ اور اس کا مرکز وہ نور تھا جو اوپر کے آباؤ اجداد سے منتقل ہو کر عبداللہ کی مبارک پیشانی میں چمکتا تھا۔ علامہ محمود شکری اپنی مایۂ ناز کتاب "بلوغ الارب فی احوال العرب" میں عبدِمناف کے ذکر میں فرماتے ہیں:۔

"عبدِمناف کو اس کے حسن وجمال کی وجہ سے قَمَرُ البَطحَاء (سنگستانِ مکہ کا چاند) کہتے تھے۔ آپ بتوں کو برا جانتے تھے، اور آپ

(بقیہ حاشیہ)

عادت کا گرویدہ دیکھ کر بات گھڑ کر سنادی"۔

ائمہ حدیث ان دونوں کی ثقاہت پر متفق ہیں اگر ایسے لوگ لوگوں کے مذاق کی خاطر باتیں گھڑ گھڑ کر سناتے تھے تو علم حدیث کا کیا اعتبار رہا۔ پھر لکھتے ہیں:۔

بعد کی آیت تَرمِیهِم میں ترمی مونث غائب کا صیغہ نہیں ہے، بلکہ واحد مذکر حاضر ہے اور مخاطب اسکے وہی ہیں جو اَلَم تَرَ کے مخاطب ہیں یعنی اہلِ مکہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپ کو مخاطب کیا جائے"۔ اس میں قرآنِ شریف کی صریح تحریف ہے جو ان مولوی صاحب کے ملحد ہونے کی کافی دلیل ہے گویا کہ اَلَم تَرَ کَیفَ فَعَلَ رَبُّکَ میں خطاب کی ضمیریں بھی آنحضرت کے لئے نہیں ہیں۔ ان مولوی صاحب کو اتنی خبر بھی نہیں ہے۔ کہ ترمیھم بصورت واحد مذکر حاضر اہلِ مکہ جمع کے لیئے نہیں آسکتا ۱۲ منہ

یہ نبی (کریم) صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور ظاہر و آشکارا تھا۔"
اسی طرح عبد مناف کے بیٹے ہاشم کے بیان میں فرماتے ہیں:
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور ان کے چہرے میں
موتی کی طرح چمکتا تھا۔ ان کو جو شخص دیکھتا ان کے ہاتھ چوم لیتا۔
اور جس شئے کے پاس سے گزرتے وہ شے ان کو سجدہ[1] کرتی۔"
اسی طرح ہاشم کے سپوت عبدالمطلب کی بابت لکھتے ہیں
وَکَانَ مُجَابَ الدَّعْوَۃِ (صفحہ ۳۵۵ ج اول) یعنی آپ مستجاب الدعوت
تھے۔"

اور دوسرے موقعہ پر فرماتے ہیں:۔
"اور عبدالمطلب کے چہرے پر نور موتی کی طرح چمکتا تھا اور اس کے چہرے
کے خط و خال سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہوتا تھا۔" (صفحہ ۳۱۲ ج ۲۔ احوالِ کعب بن
اسی طرح خود حضرت عبداللہ بھی نور کے پتلے اور حسن و جمال کے مجسمے تھے
و محدث ابنِ جریر طبریؒ امام زہریؒ سے نقل کر کے لکھتے ہیں:۔
اِنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ الْمُطَّلِبِ کَانَ یعنی عبداللہ بن عبدالمطلب قریشیوں میں

---

[1] یہ سجدہ حکم تکوینی کے متعلق ہے نہ کہ حکم شرعی کے متعلق جیساکہ
دارمی میں ہے کہ ایک اونٹ نے آنحضرت صلعم کو سجدہ کیا تو صحابہؓ رضو
نے کہا حضور نحن احق بالسجود لک من البھائم، لیعنی ہم
کرنے میں ان بہائم سے زیادہ حق رکھتے ہیں، تو آپؐ نے اس سے منع
کہ اگر یہ جائز ہوتا تو عورتیں اپنے خاوند کو سجدہ کر سکتیں۔ سنن دارمی ایک
نوع کے کئی ایک خوارق درختوں۔ پتھروں وغیرہ اشیاء کے متعلق مر

۲ اَجْمَلَ رِجَالِ قُرَیْشٍ   سب سے زیادہ صاحبِ حسن وجمال تھے۔"
(جلد ۲ ۔ صفحہ ۱۷۶)

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ حضرت عبداللہ کا یہ نور موروثی تھا۔ اسی وجہ سے جو کوئی آپ کی طرف دیکھتا آپ آنکھوں کے راستے اس کے دل میں اتر جاتے، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا۔ "وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ" (طٰہٰ پ) امام ابنِ طبریؒ نے باسناد خود ایک پرہیزگار خشعمیہ خاتون کے دل کی اتفاقی کشش کا ذکر کیا ہے، اس واقعہ کو محدث ابنِ جریر طبریؒ کے علاوہ ابنِ ہشام ۔ سہیلی ۔ ابن اثیر اور شیخ عبدالحقؒ دہلوی نے بھی نقل کیا ہے، بلکہ اس قصے کے علاوہ دو دیگر عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے ۔ ایک اسدیہ کا ۔ ایک ہلالیہ کا ۔ ان واقعات کے ذکر سے ہمارا مقصود یہ ہے، کہ حضرت عبداللہ کا حسن وجمال شہرتِ وقبولیتِ عامہ حاصل کر چکا تھا۔

حضرت عبداللہ کی پرہیزگاری:

ہم اسی موقع پر یہ بھی ذکر دینا چاہتے ہیں کہ ان واقعات میں حضرت عبداللہ صاحب کیسے پاک صاف رہے یہ ابتلاء اسی قسم کے تھے جو حضرتِ یوسف (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کو پیش آیا تھا۔ ہر دو کے پاک دامن رہنے کی یہ وجہ تھی، کہ حضرت یوسفؑ تو نبی بننے والے تھے، اور حضرت عبداللہ کی پشت سے پیغمبرِ آخرالزمان پیدا ہونے والے تھے، اس میں اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ جن پشتوں اور پیٹوں سے کوئی پیغمبر پیدا ہونے والا ہو وہ پشتیں اور پیٹ اس قسم کی برائیوں سے بالکل پاک رہتے ہیں، اور ان کے لیے خدائے تعالےٰ اپنی حفاظت کے خاص سامان پیدا کر دیتا ہے۔ "وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ط"

حضرت عبداللہ کی طہارتِ نفس، کیریکٹر کی پاکیزگی اور اخلاق کی بلندی کی نسبت جو کچھ سابقاً

لکھا جا چکا ہے، اس کے علاوہ اتنا اضافہ ضروری ہے کہ فتح مکہ پر جب آنحضرت
موذی دشمن اسیران جنگ کی حیثیت سے آنحضرت کے پیش کئے گئے، اور آ
نے ان سے پوچھا۔ یَا اَہْلَ مَکَّۃَ مَا تَرَوْنَ اَنِّیْ فَاعِلٌ بِکُمْ قَالُوْا خَیْ
اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ! (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ و مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ

"یعنی اے اہلِ مکہ! تمہارا کیا خیال ہے۔ کہ میں تم سے (کیسا سلوک)
کروں گا۔ انہوں نے کہا۔ نیکی! (کیونکہ) آپ صاحب کرم بھائی ہیں۔ اور
صاحبِ کرم بھائی (عبداللہ) کے بیٹے ہیں"

اس سے صاف عیاں ہے کہ حضرت عبداللہ باوجود نوعمری کے جیسے ط
نفس اور پاکدامنی میں مشہور تھے، اسی کریم النفسی اور مروت و احسان میں بھی
آفاق ہو چکے تھے، قوم کے دلوں پر اس کا اتنا گہرا اثر تھا۔ کہ ان کی وفات
قریباً ساٹھ سال کے بعد بھی اپنی عفوِ تقصیرات کے لیئے ان کے اخلاقی فضائلِ
سفارشی لاتے ہیں۔ گویا ساٹھ سال کی طویل مدت تک بھی ان کے پاکی
اخلاق اور پسندیدہ عادات کا نقش ان کی نظروں کے سامنے ہے۔ ا
اس کا اثر ان کے دلوں سے محو نہیں ہوا۔

چونکہ حضرت عبداللہ اپنے ذی وجاہت باپ عبدالمطلب کی زند
میں عین عنفوانِ شباب میں یعنی سترہ سال یا بقولِ بعض پچیس سال کی عمر
فوت ہو گئے اور ایسے نامور باپ کے سامنے ان کے اقبال کا ستارہ افق کما
پر چمک نہیں سکا۔ اس لیئے سوائے عفت و طہارت کے بعض واقعا
کے جو رئیس زادوں میں اور پھر حسن و جمال کی پیکر نوجوانوں میں عنقا صف
ہوتے ہیں، ان کے کارناموں کی فہرست میں لکھے نہیں جا سکتے۔ چونکہ ا
مقام پر اصل مقصود طہارتِ نفس ہے، اور بزرگ کارنامے درجہ ثانوی میں

آتے ہیں، اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا طہارتِ نفس اور اخلاق کی پاکیزگی اور عادات کی سنجیدگی کی یادگار چھوڑ کر وفات پا جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جدّی شرافت کے لیئے کافی ہے واللہ الھادی!

آنحضرت کے ننیال

عام اردو مصنفینِ سیرت نے ان عنوان کے ذکر میں بھی کوتاہ قلمی اختیار کی ہے، حالانکہ عربی کتب میں اس کا بھی کافی ذخیرہ ہے، اور کسی شخص کی شرافتِ نسبی کے ساتھ اس کی جننے والی ماں کے کیریکٹر اور خاندان کا دیکھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جس طرح باپ کے تخم کا اثر بیٹے میں سرایت کرتا ہے، اسی طرح اسکی ماں کے شکم اور خون اور دودھ کا بھی اثر ہوتا ہے، جس میں قریباً نو مہینے تک اس کے جسم کی بناوٹ اور پرورش کمال کو پہنچی ہے، اور پھر دو سال تک اس کے دودھ سے اس کی تربیت ہوتی ہے، بلکہ بغیر جننے کے صرف دودھ پینے کا بھی اثر ہوتا ہے، ورنہ حضرت موسیٰؑ کی رضاعت کے وقت دیگر سب قبطی عورتوں کے شیروں کو قدرتاً بند کرتے اور صرف انہی کی جننے والی ماں کا دودھ پلوا کر ان کا خون خالصاً اسرائیلی رہنے، اور قبطی عورتوں کے دودھ کو ان میں داخل نہیں ہونے دیا۔ کہ فرعون کے مقابلہ کے وقت ان کی اسرائیلی حرارت وحمایت کا درجہ کم نہ ہو جائے، اور آنحضرت کی رضاعت کے لیئے بالخصوص دایہ حلیمہ سعدیہؓ کا انتخاب بھی قدرت کی گہری حکمت سے تھا۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:۔

اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ — یعنی میں عربوں میں سب سے

بَیْدَ اَنِّیْ مِنْ قُرَیْشٍ وَنَشَأْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ [۱] — زیادہ فصیح ہوں، کیونکہ (نسب کی رو سے) قریش میں سے ہوں، اور میرا نشو ونما بنی سعد میں ہوا ہے۔

اور اس میں بھی قدرت کا تصرف کارفرما ہے کہ جس جس عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا وہ سب آپ کی دعوتِ نبوت کے وقت اسلام لے آئیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ثویبہؓ۔ حلیمہ سعدیہؓ اور امِ ایمنؓ۔ (مسالک الحنفا صفحہ ۴۴)

غرض شرافت باپ اور ماں ہر دو کی طرف سے ہونی چاہیئے، اسی لئے محاورہ میں "نجیب الطرفین" اسی شخص کو کہتے ہیں، جس کے دوپیال اور ننھیال ہر دو شریف وباوقار ہوں، اور یہ امر خدائے تعالےٰ کی نعمتوں میں سے ہے۔ چنانچہ اس نے فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا (فرقان پ ۱۹) — یعنی اور خدائے تعالےٰ تو وہ ذاتِ پاک ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور اُسے نسب (جد) اور صِہر (سسرال) بنایا۔

---

[۱] الشفاء للقاضی جلد اول صفحہ ۶۱ مطبوعہ اسنبول ۱۲ منہ قریش اور بنی سعد ہر دو قبیلے فصاحت وبلاغت اور شجاعت وشہامت میں مشہور تھے، اور حضرتِ حلیمہ جس نے برابر پانچ سال تک آنحضرت صلعم کو دودھ پلانے اور پرورش کرنے کی سعادت حاصل کی اسی قبیلہ بنی سعد سے تھیں، اور اسی حقِ شیر خوارگی کی وجہ سے آپ نے جنگِ ہوازن میں انکی قوم کے چھ ہزار قیدیوں کو آزاد کر دیا تھا ۱۲ منہ۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ آنحضرت جس طرح نسبی پشتوں کی طرف سے شریف النسب تھے کہ کوئی ان میں سے بد عمل ورذیل نہیں تھا۔ اسی طرح رحموں اور شکموں کی طرف سے بھی نجیب و شریف تھے۔ کہ آپ کی والدہ اور آپ کی نانیاں سب شریف خاندانوں سے تھیں، اور عفت و عصمت کی دیویاں تھیں، اس امر میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور آپ کی اوپر کی نانیاں خاندانِ قریش سے تھیں۔ بعض تو نسب میں آپ سے حضرت قصیّ پر اور بعض کعب بن لوئی پر جا ملتی ہیں۔ اور سب شرافتِ نسب اور طہارتِ نفس میں ممتاز تھیں۔ محدث ابنِ جریر طبری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بی بی آمنہ خاتون اور ان کے والد وہب کی نسبت لکھتے ہیں:۔

ووھب یومئذٍ سید بنی زھرۃ[۲]	یعنی وہب نے جو اس وقت بنی زہرہ
سنًّا وشرفًا فزوّجہ آمنۃ	کا بلحاظِ عمر کے بھی اور بلحاظِ شرف و بزرگی
بنت وھب وھی یومئذٍ	کے بھی سردار تھا۔ اپنی بیٹی آمنہ خاتون
افضل امرأۃ من قریشٍ[۱]	کا نکاح (حضرت) عبداللہ سے کر دیا۔
	اور (حضرتِ) آمنہ اس وقت قریشی
	عورتوں سے افضل تھیں:۔

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۴، ۱۷، ۱۲ منہ

[۲] توضیح:۔ بنی زہرہ قریشیوں میں سے ایک معزز خاندان کا نام ہے جو زہرہ بن کلاب کی اولاد ہیں۔ جو آنحضرت کے چوتھے جدِ امجد قصیّ کا بھائی تھا۔ (طبری جلد صفحہ ۱۸) مولٰنا ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم نے ترجمہ قرآنِ شریف کے خاتمہ پر آنحضرت کی والدہ ماجدہ کا نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ آمنہ بنت وہب بن ہاشم بن عبد مناف ۱۲ یہ مولٰینا مرحوم کی مسامحت ہے، یہ غلط فہمی اسم عبد مناف سے پیدا ہوئی ہے مولانا مرحوم۔ (بقیہ بر صفحہ ۱

طامس کارلائل اپنی مشہور کتاب ہیر وائیڈ ہیر وورشپ میں مضمون ہیرو ایز پرافٹ میں حضرت آمنہ خاتون کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ایک خاتون جو اپنی خوبصورتی اور قدر ومنزلت اور عقل وتمیز میں ممتاز تھیں" الغرض آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ اور ان سے اوپر کی والدات تمام کی تمام طاہرات تھیں۔ اور یہی مقتضیٰ ہے، اس حدیث کا جو امام سیوطیؒ نے اپنے متعدد رسالوں میں نقل کی ہے:۔

"کہ خدائے تعالےٰ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا چلا آیا ہے" الحدیث۔

اور اس کے مضمون کو حافظ ابن حجرؒ نے یوں نظم کیا ہے ؎

نَبِیُّ الْھُدٰی الْمُخْتَارُ مِنْ اٰلِ ھَاشِمٍ ٭ نَحْنُ فَخْرِھِمْ فَلْیَقْصُرِ الْمُتَطَاوِلُ
تَنَقَّلَ فِیْ اَصْلَابِ قَوْمٍ تَشَرَّفُوْا ٭ بِہٖ مِثْلَ مَا لِلْبَدْرِ تِلْکَ الْمَنَازِلُ

یعنی ہدایت کا نبی، آلِ ہاشم کا برگزیدہ۔ جن کے مفاخر کے بیان سے ہر گو شخص کو بس کرنی

بقیہ حاشیہ: نے یہ سمجھا کہ یہ عبد مناف وہی ہیں۔ جو آنحضرتؐ کے پردادا ہاشم کے باپ ہیں۔ پس آپ نے ان کے بیٹے کا نام ہاشم لکھ دیا اور اس کے ساتھ آنحضرتؐ کی والدہ کا نسب نامہ جوڑ دیا۔ حالانکہ آپؐ کی والدہ کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔ اور آنحضرت کا اس طرح ہے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف بن قصیؓ بن کلاب دونوں نسب نامے کلاب پر جا ملتے ہیں، پس آنحضرت کے تیسرے دادا عبدمناف اور شخص ہیں اور آپ کی والدہ کا دادا عبدمناف اور شخص ہے، فافہم ۱۲ منہ۔

چاہیئے۔ وہ ایسی قوم کی پشتوں سے نقل ہوتا چلا آیا۔ جنہوں نے اس سے بزرگی پائی۔ جس طرح چودھویں رات کے چاند سے منزلیںؒ رونق پاتی ہیں۔[1]

بعض مفسرینؒ نے سورتِ شعراء کی آیت وَ تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ میں سے آپؐ کے آباؤ و اجداد کے صالحین لوگ مراد لیئے ہیں (دیکھو تفسیر معالم التنزیل) غالباً اس شعر میں تَنَقَّلَ فِي اَصْلَابِ قَوْمٍ کا اشارہ اسی آیت کے مضمون کی طرف ہے۔

---

[1] المقامة السندسیة فی النسبة المصطفویة للسیوطیؒ ص ۳ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۶ھ

فصلِ دُومؔ

آنحضرتؐ کے آباؤ اجداد کا مذہب

ہم سابقاً بیان کر چکے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباؤ اجداد نجابت و شرافت کے تمام جواہر سے آراستہ اور اخلاقِ حسنہ کے جملہ فضائل سے پیراستہ تھے۔ ان کے تفصیلی حالات کے بیان میں عام اردو مصنفینِ سیرت نے بہت کم قلم اٹھایا ہے حالانکہ احوالِ عرب کی عربی تصانیف میں اس کے لیئے بھی کافی ذخیرہ موجود ہے۔ الحمدللہ کہ سیرت المصطفےٰ نے اس کمی کو ایک حد تک پورا کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ حیرانی اس بات پر ہے کہ ان کے دین و مذہب کے متعلق عام اردو مصنفین بالکل خاموش نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ چونکہ وہ زمانۂ نبوت سے پیشتر ہوئے ہیں اور مکۃ شریف میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا اور آنحضرتؐ سے تقریبًا تین سو ۳۰۰ سال پیشتر عمرو بن لحیّ ملحد نے آنحضرتؐ کے آباؤ اجداد پر غلبہ پا کر خانہ کعبہ اور اس کے متعلقہ امور کے اختیارات ان سے چھین لیئے اور اس نے خانہ کعبہ میں بت رکھوا دیئے۔ جس سے آخرکار خانہ کعبہ بجائے خدائے واحد کی عبادت گاہ ہونے کے تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش گاہ بن گیا۔ جب خانہ کعبہ کا یہ حال تھا تو اس کے متولی قریشی اس اثر سے کیسے بچ

سکتے تھے۔ چنانچہ اسی معنی میں کہا گیا ہے، ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اور جب قریشیوں کا عام مذہب بت پرستی ہو گیا تھا تو آنحضرت صلعم کے آباؤ اجداد اس عام روش سے کس طرح الگ رہ سکتے تھے۔

جب یہ امکانی خیال ذہن میں جم گیا تو اب تحقیقات کی زحمت کون اٹھائے اور ان کے دین و مذہب کی پڑتال کے لیئے کتابوں کی ورق گردانی کیوں کی جائے۔ لیکن دوستو! یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے کیونکہ بعض مخصوص افراد کا عام روش کے برے اثر سے محفوظ رہنا ممکن بلکہ واقعات سے ثابت ہے مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضہ اور حضرت عمر رضہ کے چچا اور آپ کے بہنوئی سعید رضہ کے والد زید بن عمرو بن نفیل بھی تو قریشی ہی تھے لیکن موحد بھی تھے اور قس بن ساعدہ ایادی جس کا ذکر سوقِ عکاظ کے بیان میں آئے گا اور علاف بن شہاب تمیمی اور ملتمس بن امیہ کنانی بھی آلِ عدنان ہی سے تھے اور موحد تھے۔ اسی طرح بعض دیگر افراد بھی جو اگرچہ آنحضرت صلعم کے عمودِ نسب سے نہیں تھے لیکن آلِ ابراہیم علیہ السلام سے تھے ہر زمانے میں بمقتضائے آیت وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ[1] ط الآیہ (زخرف پ ۲۵) شرک سے بیزار ہوتے ہوئے کلمۂ توحید پر قائم تھے۔

جب ان افراد کا یہ حال ہے، جو عمودِ نسب نبوی صلعم سے نہیں ہیں تو خاص اس عمود کے افراد جن سے وہ پاک ہستی پیدا ہونے والی ہو جو یزکیھم کا تاج پہن کر تختِ نبوت پر جلوہ افروز ہونے والی ہو۔ پشت در پشت اَبًا عَنْ جَدٍّ

---

[1] اس کا ترجمہ یہ ہے ''اور کیا خدائے تعالےٰ نے کلمۂ توحید کو کلمہ باقی رہنے والا بیچ اولاد ابراہیم علیہ السلام کے'' ۱۲ منہ

شرک و بت پرستی کی آلودگی سے کیوں نہیں بچ سکتے یقین جانیے کہ وہ قدرت کے ارادۂ ازلی اور تصرفِ غیبی سے ہر قسم کی اخلاقی و اعتقادی آلودگی سے محفوظ رکھے گئے تھے کیونکہ ان کی پشتوں سے نقل ہوتے ہوئے سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت عبداللہ کی پاک پشت اور آمنہؓ کے پاک شکم میں آنے والے تھے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ؎

علمائے اہلسنّت کے اقوال

آئمہ اہلسنّت کے اس بارے میں کئی اقوال ہیں۔ ایک ان میں سے وہ ہے جس کے لیئے ہم نے تمہید سابق بیان کی ہے کہ آلِ ابراہیم علیہ السلام میں ہر زمانہ میں ایسے لوگ موجود رہے جو خدائے تعالیٰ کی توحید پر قائم رہے اور کعبہ کے متولی یہی لوگ بلکہ خاص وہی افراد تھے جن کی پشتوں سے آنحضرتؐ پیدا ہوئے اور ان میں سے کوئی بھی مشرک و بت پرست نہیں ہوا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اس میں تو کسی کو کلام نہیں کہ عمرو بن لحی سے پیشتر جس کے وقت میں مکہ شریف میں بت پرستی اور دیگر رسوم شرکیہ کی بنیاد پڑی، آلِ ابراہیم علیہ السلام تمام کی تمام توحید پر قائم تھی۔ چنانچہ مسندِ امام احمدؒ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

كَانَ النَّاسُ بَعْدُ اسْمٰعِيْلَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَكَانَ الشَّيْطَانُ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِالشَّيْءِ يُرِيْدُ اَنْ يَّرُدَّهُمْ عَنِ الْاِسْلَامِ حَتّٰى اَدْخَلَ عَلَيْهِمْ فِي التَّلْبِيَةِ!

(بلوغ الامانی شرح مسندِ امامِ احمد شیبانی صفحہ ۱۸۶، جلد یازدہم)

یعنے حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد (ان کے اولاد کے) سب لوگ اسلام پر تھے۔

شیطان لوگوں کو کچھ کی کچھ باتیں بنا کر اسلام سے برگشتہ کرنا چاہتا تھا کہ تلبیہ میں کلمۂ شرک (اِلَّا شریکاً لک) داخل کر دیا۔

عمرو بن لحی قبیلۂ بنو خزاعہ سے تھا۔ اس نے آنحضرتؐ کے اجداد سے جبر و تغلب سے ولایتِ کعبہ چھین لی اور مکہ شریف میں رسومِ شرکیہ اور بت پرستی شروع کروا دی۔ بنو خزاعہ کا یہ سیاسی تغلب اور اس کا اثر کوئی تین سو سال تک رہا اور ملکِ عرب میں عام طور پر بت پرستی شائع ہو گئی۔ باوجود اس کے کئی اشخاص دینِ ابراہیمی پر قائم رہے حتیٰ کہ آنحضرتؐ کے چوتھے دادے قصیؓ[1] کا زمانہ آیا اور خدائے تعالےٰ کو ایک نیا انقلاب منظور ہوا تو ان کے ارادوں میں بلندی اور ان کی ہمت میں برکت و قوت بخشی۔ انہوں نے کل قبائل قریش کو جو سیاسی ضعف کے وقت منتشر ہو گئے تھے، ایک سٹیج پر جمع کیا۔ ان میں اتفاق و اتحاد کی لہر دوڑا دی اور مجمع (جمع کنندہ) نام پایا۔ قریش سے دیگر عربوں کی متفقہ طاقت سے بنو خزاعہ سے جنگ کر کے اپنے اسلاف کی گئی ہوئی عزت کو پھر حاصل کیا اور خانہ کعبہ کی ولایت ہاتھ میں لی۔ لیکن اس غلبہ سے صرف سیاسی انقلاب ہوا رسومِ شرکیہ اور بت پرستی جو تین صدیوں سے عربوں میں سرایت کر چکی تھی۔ ان پر اثر نہ پڑا۔[2] خود قصیؓ اور ان کا بیٹا، عبدالمناف اور ان کا بیٹا ہاشم اور ان کا سپوت عبدالمطلب جو عمودِ نسبِ نبوی کی سنہری کڑیاں ہیں حسب تصریح امامِ طبریؒ و علامہ محمود شکری شرک و بت پرستی سے بیزار تھے، جیسا کہ ابھی بالتفصیل ذکر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

---

[1] سلسلۂ نسب یوں ہے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف بن قصیؓ ۱۲ منہ

[2] مستفاد از مسالک الحنفار مصنفہ امام سیوطیؒ نقل کردہ از تاریخ حافظ عماد الدین ابن الکثیرؒ ۱۲ منہ

اس قول کے حامی بڑے بڑے بزرگ امام ہیں۔ مثلاً حافظ عمادالدین ابن کثیرؒ امام فخرالدین رازیؒ علامہ شہرستانیؒ۔ امام وردی بصریؒ۔ امام سیوطیؒ۔ امام سفیانؒ بن عیینہؒ، مجاہدؒ تابعیؒ۔ قتادہؒ تابعیؒ ابن جریجؒ مکی اور حضرت ابن عباسؓ صحابیؓ[۱]

امام سیوطیؒ نے مسالک الحنفاء وغیرہ رسائل میں کئی ایک آیات و احادیث اس کی تائید میں نقل کی ہیں۔ ہم طوالت سے بچتے ہوئے صرف ایک آیت پر اکتفا کرتے ہیں۔

سورۃ زخرف۔ پ ۲۵ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا:- وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:-

"وساخت خدائے تعالےٰ کلمۂ توحید را سخنے باقی مانده در فرزندانِ او بود که کافراں رجوع کنند"

اور تفسیر معالم میں ہے:-

"کہا مجاہد اور قتادہ نے یعنی کلمۂ توحید کا کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ہے۔ اسے (خداوند تعالےٰ نے) اولادِ ابراہیمؑ میں کلمہ باقی رہنے والا بنایا۔ کہا قتادہ (تابعیؒ) نے ہمیشہ رہے اولادِ ابراہیمؑ میں ایسے شخص جو خدا کی عبادت کرتے رہے اور اسے واحد مانتے رہے"

اسی طرح تفسیر حافظ عمادالدین ابنِ کثیر میں ہے:-

اور اسی کلمہ کو یعنی خدائے واحد لاشریک کی عبادت کرنا اور اس کے سوا بتوں کو چھوڑ دینا اور یہی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ۝ ہے بنایا خدا نے اس کلمہ کو دائمی

---

[۱] مسالک الحنفاء وغیرہ ۱۲ منہ

طور پر رہنے والا اولادِ ابراہیمؑ میں کہ پیروی کرے اس میں ساتھ اس مکہ کے وہ شخص جسے ہدایت دے خدائے تعالےٰ اولادِ ابراہیم میں سے تاکہ وہ اس کلمہ کی طرف رجوع کریں۔ کہا عکرمہؒ اور مجاہدؒ اور ضحاکؒ اور قتادہؒ اور سدیؒ وغیرہم نے قولِ خداوندی وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ ط یعنی کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو کہ ہمیشہ رہے ایسے شخص اس کی اولاد میں جو اس کے قائل رہے اور اس کا رجوع بھی اسی کی طرف رہے جو (مذکورہ بالا) جماعت نے کہا ہے[1]

اسی طرح دیگر تفاسیر میں بھی ہے۔ جن میں سے بعض کا ذکر امام سیوطیؒ نے مسالک الحنفاء میں حضرات ابنِ عباسؓ۔ مجاہد۔ قتادہ اور ابن جریح (رحمہم اللہ) سے نقل کیا ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے "کلمہ باقیہ سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ط ہے کہ خدائے تعالےٰ نے اولادِ ابراہیمؑ میں اس کے قائل ہمیشہ رکھے۔ بلکہ امام ابنِ جریج مکی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اولادِ ابراہیمؑ میں سے ایسے لوگ باقی رہے اور قیامت تک باقی رہیں گے جو فطرت پر قائم رہ کر خدا کی عبادت کرتے رہے اور کرتے رہیں گے[2]

امام فخرالدین رازی کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ بموجبِ آیات و احادیث مذکورہ جب آلِ ابراہیمؑ میں توحید قائم رہی اور عمودِ نسبِ نبوی میں سے بعض افراد کی نسبت ہم کو منصوص عبارتیں اور روایتیں بھی مل گئیں کہ وہ خدا پرست اور موحد تھے اور یہ بھی کہ خانہ کعبہ کی تولیت بھی اجدادِ آنحضرت میں رہی، (الا بنو خزاعہ کا زمانہ) تو اس نتیجہ پر آسانی سے پہنچ سکتے

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۹ صفحہ ۱۳۵ برحاشیہ تفسیر روح البیان ۱۲ منہ [2] صفحہ ۱۳۱، ۱۲ منہ

ہیں کہ آلِ ابراہیم علیہ السلام میں سے سلسلہ الذہب کی سب کڑیاں اس امر کے زیادہ لائق ہیں، کہ وہ شرک کی آلودگی سے پاک رہیں۔ چنانچہ وہ سب پاک رہے جیسا کہ خدا کے فضل سے تفصیل ذیل سے معلوم ہو جائے گا۔ اس کے لیئے پھر دوبارہ سلسلہ نسب نبوی کی ترتیب اوپر کی طرف سے عدنانؑ سے عبداللہ تک زیر نظر رکھیئے۔ کیونکہ عمروؔ بن لحیؔ کے تغلب سے پیشتر تو کسی کو کلام نہیں کہ اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام دین حنیف پر قائم تھی اور بنو خزاعہ کا زمانہ حضرت قصیؔ پر آکر ختم ہوگیا۔ اگر ہم کو قصیؔ سے اوپر بھی بعض اجدادِ آنحضرتؐ کی نسبت ایسی تصریحات مِل جائیں تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں، کہ فتنہ بت پرستی کے وقت بھی عمودِ نسبِ نبوی بت پرستی سے بچا رہا۔

سو ہم ترتیب وار قصیؔ سے اوپر اور ان سے نیچے ان اجدادِ امجاد کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کے متعلق ہم کو تصریحات دستیاب ہو گئی ہیں۔ ترتیبِ سلسلہ عمودِ نسبِ نبوی حسب ذیل ملحوظ رہے۔

محمدؐ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وآبائہٖ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) ابن عبد مناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب، بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر (قیس) بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عمرو) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

(١) امام سیوطیؒ نے مسالک الحنفاء میں بروایت ابن حبیب حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا کہ عدنان اور معد اور ربیعہ اور مضر اور خزیمہ ملتِ ابراہیمیؑ پر تھے، ان کا ذکر سوائے نیکی کے نہ کرو اور ربیعہ جس کا ذکر اس روایت میں ہے وہ مضر کا سوتیلا بھائی تھا۔

(تاریخ طبری وسیرتِ ابنِ ہشام)

(۲) اسی طرح طبقات ابنِ سعدؒ سے عبداللہ بن خالد کی روایت سے مرسلاً نقل کیا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تم مضر کو بُرا نہ کہو وہ مسلمان تھا۔ (صفحہ ۳۳)

۳۔ اسی طرح ابنِ حبان نے وکیع کی کتاب کتابُ الغرد من الاخبار سے حضرت ابنِ عباس سے نقل کیا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم قیس کو برا نہ کہو کیونکہ وہ مسلمان تھا۔ قیس نضرؑ کا دوسرا نام ہے۔

۴۔ اسی طرح امام سہیلی رحؒ نے رفعاً نقل کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم الیاسؑ کو برا نہ کہو۔ کیونکہ وہ مسلم مومن تھا۔ پھر ذکر کیا کہ وہ یعنی الیاس اپنی پشت سے آنحضرتؐ کا تلبیہ حج بھی سنا کرتے تھے۔

نوٹ:۔ یہ الیاسؑ حضرت الیاسؑ نبی کے سوا دوسرے صاحب ہیں جو آنحضرتؐ کے اجداد میں سے ہیں۔ (دیکھو مذکورہ بالا سلسلۂ نسب نبویؐ)

۵:۔ اسی طرح کعبؓ بن لوی کی بابت بھی ذکر کیا کہ قریش ان کے پاس جمعہ کے دن جمع ہوتے اور آپ ان کو خطبہ سنایا کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بھی ذکر کرتے[1] اور یہ بھی کہ وہ میری اولاد میں سے ہوں گے اور اپنی اولاد کو آنحضرتؐ کی اتباع اور آپ پر ایمان لے آنے کی وصیت کرتے تھے۔ یعنی اگر وہ ان کا زمانہ پالیویں (صفحہ ۳۴)

اس کے بعد امام سیوطیؒ کہتے ہیں، جو روایتیں ہم نے بیان کی ہیں

---

[1] نیز تاریخ حافظ ابنِ کثیر جلد ثانی صد ۲۴۴ تا ۲۱۲ منہ

ان سے یہ حاصل ہو گیا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آباؤ اجداد عہد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر کعب بن لوی تک تمام کے تمام حضرت ابراہیمؑ کے دین پر تھے اور کعب کا بیٹا مرہ بھی اسی طرح تھا۔ کیونکہ ان کے باپ نے ان کو ایمان کی وصیت کی تھی۔ ان کے بعد عبدالمطلب اور اس کے درمیان چار اجداد یعنی کلاب اور قصی اور عبد مناف اور ہاشم کی بابت مجھے کوئی نقل دستیاب نہیں ہوئی نہ اس طرف کی نہ اس اُس طرف کی (صفحہ ۳۵)

یہ عاجز محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کہتا ہے کہ امام سیوطیؒ نے جن جن کے متعلق تصریحات پائیں نقل کر دیں۔ اور بعض کے اسمائے گرامی ذکر کر کے صاف صاف لکھ دیا کہ۔

"مجھے ان کے متعلق کوئی نقل اس طرف کی یا اس طرف کی نہیں ملی"

اس لیئے میں خدا کے فضل سے دوسرے مصنفین کی تصریحات سے دکھاتا ہوں کہ خود قصی اور ان کی اولاد میں سے عمود نسب نبوی کی سب کڑیاں دین ابراہیمی یعنی توحید پر قائم اور شرک و بت پرستی سے بیزار تھیں۔

علامہ محمود شکریؒ بغدادی نے عربوں کے حالات کے متعلق ایک ضخیم کتاب تین جلدوں میں لکھی ہے۔ آپ اس کی دوسری جلد میں موحدین عرب کے ذکر میں ایک مستقل عنوان قائم کر کے اس کے شروع میں فرماتے ہیں :۔

"عرب کے بہت عقل مند اور دانا اول عمرو بن لحیؔ کی اس بدعت

میں جو اس نے دین میں نکالی تھی۔ اس کے موافق مذہب نہ تھے اور بت پرستی وغیرہ منکر کاموں میں جو اس نے جاری کئے تھے اس کے پیرو نہ تھے۔ ہم ان میں سے بعض کے حالات جو ہم کو معتبر کتابوں سے معلوم ہوئے ہیں۔ ذکر کرتے ہیں۔" مترجماً صفحہ ۲۶۵ جلد دوم) [۱]

اس کے بعد مصنف علامؒ نے (۲۳) نامور اشخاص کے اسماء گرامی درج کر کے بعض کے مختصر اور بعض کے مفصل حالات ذکر کئے ہیں۔ بعض ان میں سے قریشی ہیں اور بعض دیگر خاندانوں سے ہیں۔ لیکن ہیں سب آلِ عدنانؑ سے۔ پھر قریشیوں میں سے بعض وہ ہیں جو خاص اس سلسلۂ طاہرہ کی سنہری کڑیاں ہیں جن سے حضور سرور

۱؎ اس کتاب کا نام ہے "بلوغ الارب فی احوال العرب" ہے اسکی تصنیف کی صورت یوں ہوئی کہ لجنۃ الالسنۃ الشرقیۃ، کے جس کا جلسہ شہر سٹاک ہالم واقعہ ملک سویڈن میں منعقد ہوا تھا مشرقی ومغربی (ایشیائی و یورپین) مستشرق علماء سے بذریعہ اشتہار عام درخواست کی وہ زمانۂ اسلام سے پیشتر کے عربوں کے مناقب اور انکی اقوام وقبائل اور ان کی خصائل وعادات کے متعلق کوئی کتاب لکھیں۔ اس پر علامہ محمود شکری آلوسی بغدادی نے ازراہ حمیتِ اسلامی یہ نادر کتاب لکھی جو جلسہ میں دیگر کتابوں کے مقابلہ میں خصوصیت سے منتخب ہوئی۔ مصنف نے اسکی تاریخ اختتام غرہ جمادی الاولی ۱۳۰۴ھ ذکر کی ہے اور طباعت کا اختتام ۱۸ شعبان ۱۳۱۴ھ لکھا ہے۔ یہ کتاب سلطان عبدالحمید خاں غازی مرحوم کے عہد میں بغداد میں نہایت صحت وصفائی سے طبع ہوئی اور اس عاجز کے پاس موجود ہے۔ یہ کتاب جواہرات کا ذخیرہ ہے حسنِ عبارت اور حسنِ انتخاب قابلِ تحسین وآفرین ہے۔ فللہ درّ المصنف العلامۃ! ۱۲ منہ:۔

❁ ❁ ❁

کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا ظہور ہوا کہ ان کی پشتیں خدائے بزرگ کی اس گرانمایہ امانت کی متحمل تھیں۔ مثلاً کعب[۱۲]۔ قصی[۱۵]۔ عبد مناف[۵] اور ہاشم[۴]

یہ عاجز محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اس کتاب بلوغ الارب میں سے اپنے مقصود[۱] کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف انہی بزرگوں کا حال بطور ترجمہ نقل کرے گا اور ہر ایک کے نام کے ساتھ وہ نمبر لکھے گا جو اوپر سلسلۂ نبوی میں ان کے ناموں کے ساتھ لگائے گئے ہیں۔

نمبر ۱۲۔ کعب بن لؤی:۔ یہ وہ کعب ہیں۔ جن پر حضرت عمر فاروق رضؓ کی نسب آنحضرت صلعم کی نسب سے جا ملتی ہے علامہ موصوف ان کی بابت ارقام فرماتے ہیں۔

"آپ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے اجداد میں سے ہیں اور ہم نے کتاب مجتمعات میں ذکر کر دیا ہے، جو زبیر بن بکار نے بیان کیا۔ یعنی حضرت کعب کا قریش کو خطبہ سنانا۔ اور ہر جمعہ کے روز ان کا آپ کے پاس جمع ہونا۔ آپ ان کو اطاعت و فہم و تعلّم، (علم سیکھنے) اور زمین و آسمان کے احوال میں، اور رات دن کے اختلاف اور حالات کے منقلب ہوتے رہنے سے اور جو واقعات پہلوں اور پچھلوں کو پیش آئے ان سے عبرت پکڑنے کا حکم کرتے تھے اور صلہ رحمی اور سلام کے عام کرنے اور عہد و پیمان کی محافظت اور حقِ قرابت کی رعایت اور فقرا و یتامیٰ پر صدقہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور موت اور اس کے پر خطر حالات اور روزِ قیامت اور

---

[۱] یعنی آنحضرت صلعم کے آباؤ اجداد کا دینِ حنیفی پر قائم ہونا ۱۲ منہ

اس کے خوفناک احوال کے ذکر سے وعظ و نصیحت کرتے تھے
اور ان کو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے مبعوث ہونے کی بشارت
بھی سناتے تھے اور یہ بھی کہ آپؐ میری اولاد میں سے ہوں گے
اور ان کو حکم کرتے تھے کہ اگر تم آپؐ کا زمانہ پاؤ تو آپؐ کی پیروی
کرنا۔ اور یہ بھی کہ آپؐ بیت اللہ الحرام سے مبعوث ہوں گے اور
اس بارے میں شعر بھی کہتے تھے اور آنحضرتؐ کی دعوت کے
مشاہدے کا شوق بھی ظاہر کرتے تھے اسی طرح کی اور بھی باتیں
ہیں جو صفائی باطن کے الہامات اور صادق خیالات کی قسم میں شمار
ہوتی ہیں۔ اور یہ امور ان کے دینِ ابراہیمی کے ساتھ پنجہ مارنے
اور ملّتِ حنیفی اور اسلام کو محکم پکڑنے کی سب سے واضح دلیل ہے
اور بہت سے علماء کا یہی مذہب ہے کہ آنحضرتؐ کے سب آباؤ اجداد
اور مائیں اعتقاد میں موحّد تھے وہ قیامت اور اس کے حساب وغیرہ
امور پر ایمان رکھتے تھے، جو ملّت حنیفی لے کر آئی" (مترجماً جلد دوم ص ۳۱۱/۳۱۲)

۱۵؎ آنحضرتؐ کی بعثت کی ایک ہو حدیں عرب کے تذکروں میں ملتی ہے۔ اس سے تعجب نہیں کرنا
چاہیئے اور اسے جلد بازی سے بغیر علم کے بناوٹی قصہ کہانی نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ جب حضرت ابراہیمؑ نے
بحکم الٰہی مع اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کے خانہ کعبہ تعمیر کیا اور وہاں پر شہر مکہ بھی آباد ہو گیا تو اسوقت
آپؑ نے یہ دعا بھی کی تھی۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ پس اگر یہ دعا خاندانی روایت ہونیکی وجہ سے
بصورت بشارت آلِ اسمٰعیل میں اَبًا عَنْ جَدٍّ بطریق توارث ہر زمانہ میں چلی آئے تو اس میں کیا تعجب ہے، اور اس کو ہمارے
جھٹلانے کی کونسی راہ ہے خصوصاً جب خود آنحضرت بھی فرماتے ہیں:- اَنَا دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْم الحدیث (مشکوہ ص ۵۰۵)
اس طرح حافظ ابنِ کثیرؒ نے بھی اپنی تاریخ میں حضرت کعب کے اس مذکورہ خطبہ جمعہ کا ذکر کیا اور اس میں نبی کریم صلعم
کے مبعوث ہونے کی بشارت سنانا بھی بیان کی ہے ۱۲ منہ۔

نمبر ۶ قصیٰ بن کلاب، ان کا نام سلسلۂ نسبِ نبوی مذکورہ بالا میں نمبر ۶ پر دیکھو۔ ان کی جلالتِ شان اور نمایاں کارنامے اور بنو خزاعہ پر فتح پاکر خانہ کعبہ کی موروثی تولیت کو پھر حاصل کرنا صفحاتِ گذشتہ میں سب بیان ہو چکے ہیں۔ اس جگہ عمرو بن لحیؔ اور اس کے بت پرستی کو رواج دینے کی بابت بعض احادیث کا ذکر بھی مناسب ہے۔

۱:۔ صحیح بخاریؒ اور مسند امام احمدؒ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحیؔ کو دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی انتڑیاں کھینچ رہا ہے اور وہ وہی ہے، جس نے پہلے پہل (کعبہ میں) بت پرستی شروع کی، اور بحیرہ اور سائبہ کی رسوم جاری کیں (ملخص از تاریخ حافظ ابن کثیر جلد دوم ص $\frac{188}{189}$:۔

۲:۔ حج کے تلبیہ یعنی لبیک کے کلمات جو ملّتِ ابراہیمی کے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ (البخاری)	یعنے "حاضر ہوں۔ خداوندا! حاضر ہوں حاضر ہوں تیرا کوئی بھی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں، بے شک حمد اور نعمت تیرے ہی لیئے ہے اور بادشاہی بھی تیری ہی ہے، تیرا کوئی بھی شریک نہیں"

حافظ ابن کثیرؒ نے امام سہیلیؒ وغیرہ سے نقل کیا کہ اس خالص توحید الٰہی کے تلبیہ میں سب سے اوّل شرک کا کلمہ اسی عمرو بن لحیؔ خزاعی نے شیطانی تحریک و تلقین سے داخل کیا اور عرب کے لوگ (اس کے اقتدار کی وجہ سے) اس کے تابع ہو گئے، وہ کلمہ یہ ہے کہ شرک کی حالت میں عام قریش اور بنو کنانہ نے یوں کہنا شروع کر دیا تھا:۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا	میں حاضر ہوں۔ خداوندا! میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں تیرا کوئی بھی شریک

هُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ   نہیں ہے۔ مگر ایک شریک کہ وہ بھی
تیرا ہی ہے۔ تو اس کا بھی مالک ہے
اور اس چیز کا بھی جس کا وہ مالک ہے،

اس کے بعد حافظ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب وہ لوگ لَاشَرِیْکَ لَکَ! کہتے تو آنحضرت ؐ فرماتے ہیں قَدْ قَدْ بس یہیں تک یعنی اس سے آگے وہ شرکی کلمہ اِلَّا شَرِیْکًا والا نہ کہنا (صـ ۱۱۸)

اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت قصیؒ بھی موحد اور خدا پرست تھے، چنانچہ علامہ محمود شکریؒ بلوغ الارب میں فرماتے ہیں :-

"قصیؒ قریش کے عالم تھے اور حق پر سب سے زیادہ قائم ہونے والے تھے۔ آپ اپنی قوم کو جمعہ کے روز جمع کرتے اور ان کو وعظ و نصیحت کرتے تھے اور حرمِ مکہ کی تعظیم و تکریم کا حکم کرتے تھے اور ان کو یہ بشارت بھی سناتے تھے کہ عنقریب اس حرم میں ایک نبیؐ پیدا ہوگا۔ اور آپ بتوں کی پرستش سے منع کرتے تھے۔" (جلد دوم صفحہ ۳۱۴)

تولیتِ کعبہ

حضرت قصیؒ نے جس طرح بنو خزاعہ پر غلبہ پایا۔ اس کی کیفیت قابلِ ذکر ہے۔ حافظ ابنِ کثیرؒ اپنی تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں کہ :

"قصیؒ نے حلیل بن حبشیہ رئیسِ خزاعہ کی بیٹی حبّی سے شادی کی بنو خزاعہ نے گمان کیا کہ حلیل نے قصیؒ کے حق میں بیت اللہ کی تولیت کی وصیت کردی ہے۔ کیونکہ اس نے دیکھا کہ میری بیٹی سے اس کی اولاد بہت ہے اور کہا کہ تو میری نسبت اس کا زیادہ حقدار ہے (جلد دوم صفحہ ۲۰۵) حاشیہ پر صفحہ

۵۔ عبدِ مناف:۔ ان کا نام سلسلہ نسب نبوی میں نمبر ۵ پر دیکھو، ان کی جلالتِ شان کا کچھ ذکر سابقاً گزر چکا ہے۔ اب ان کے مذہب کی بابت ملاحظہ فرمایئے کہ علامہ محمود شکری رح فرماتے ہیں:۔

"عبدِ مناف کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے قمر البطحاء (سنگستانِ مکہ کا چاند) کہتے تھے ان کا اصل نام مغیرہ تھا اور حضرت زبیر رض سے منقول ہے کہ مجھے ایک پتھر دستیاب ہوا۔ جس پر یہ الفاظ کندہ تھے میں مغیرہ بن قصی قریش کو خدا کے ڈر اور صلہ رحمی کی وصیت کرتا ہوں

حاشیہ بقیہ:۔ ؎ زیادہ حقدار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت قصی اسمٰعیل ؑ علیہ السلام کی بہترین اور خالص اولاد (قریش سے ہیں۔ اور کعبہ کے اصل متولی وہی ہیں۔ ان سے پہلے قبیلہ بنی خزاعہ کا جو قبضہ رہا، وہ غاصبانہ رہا۔ اور ہر دو قبیلوں کے دل ایک دوسرے سے صاف نہیں تھے۔ اب جب حلیل خزاعی نے قصی قریش کو اپنی بیٹی دے دی اور اس کے شکم مبارک سے انکی اولاد بھی بکثرت پیدا ہو گئی تو وہ حقد سداوت جاتی رہی۔ اور اس کی بجائے شفقت و ہمدردی پیدا ہو گئی۔

حضرت حُبّیٰ کے بطن مبارک سے حضرت قصیّ کے چار بیٹے عبد الدار[۱]۔ عبد المناف[۲] عبد العزیٰ[۳] اور عبد قصی[۴] پیدا ہوئے۔ جب حضرت قصی کے والد کلاب فوت ہو گئے تو ان کی والدہ نے خاندانِ عذرہ میں ربیعہ بن حرام سے نکاح کر لیا اور ان سے ان کا بیٹا رزاح پیدا ہوا۔ حضرت قصی نے اپنے استحقاق کی بنا پر اپنی قومِ قریش اور بنی کنانہ کو بنو خزاعہ سے ولایت کعبہ واپس لینے کے لیے جمع کیا۔ اور ادھر اپنے ماں جائے بھائی رزاح کو مدد کیلئے بلایا۔ رزاح نے اپنے دیگر تینوں بھائیوں کو بھی جو دوسری ماں فاطمہ سے تھے ساتھ لیا۔ اسطرح قصی نے متفقہ طاقت سے بنو خزاعہ پر غلبہ پا کر ان سے ولایتِ کعبہ واپس لے لی۔ الحمد للہ کہ حق بحق دار رسید ۱۲ منہ۔

اور آپ بتوں کو بہت برا جانتے تھے۔ اور آپ (کے چہرے) پر آنحضرتؐ کا نور آشکارا اور نمایاں تھا۔" (صفحہ ۳۱۴ جلد دوم)

۴۔ **ہاشم**:۔ ان کا نام سلسلۂ نسب نبوی میں نمبر ۴ پر دیکھئے ان کا اصلی نام عمروؓ تھا ان کی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان سابقاً گزر چکی ہے۔ علامہ محمود شکریؒ نے ان کو بھی موحدین و حکام عرب کی صف میں شمار کیا ہے۔ آپ عنوان حکامِ عرب" کے ضمن میں ان کی بابت ارقام فرماتے ہیں:۔

وَمِنْهُمْ هَاشِمُ بْنُ عَبْدِ مَنَافِ الْقُرَيْشِي وَسَادَاتِهِمْ وَحُكَّامِهِمْ (جلد ۱ صفحہ ۳۸۲)	یعنی ہاشم بن عبد مناف قریشی بھی حکامِ عرب میں سے ہیں۔ اور وہ قریشیوں کے بہت بڑے لوگوں اور ان کے سرداروں اور حکام میں سے ہیں۔"

اس کے بعد علامہ محمودؒ نے ان کا خطبہ نقل کیا ہے جو مکارمِ اخلاق اور پند و عظت کا جامع ہے، جسے ہم بخوف طوالت نقل نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد امام ماوردی کی کتاب "اعلام النبوۃ" سے امام وردی کا قول نقل کیا ہے۔ جس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے۔

"(حضرتِ ہاشم نے اس خطبہ میں) شریف اخلاق کا جو امر کیا ہے۔ اور بُرے افعال سے جو ممانعت کی ہے۔ اس کی طرف دیکھو۔ کیا یہ باتیں فضیلت کی گہرائی اور قدر و منزلت کی جلالت اور ہمت کی بلندی کے سوا صادر ہو سکتی ہیں؟ اور یہ سب کچھ کسی خاص انتخاب کے ارادے اور ذکر و شان کی پختگی کے لیئے (قدرتی طور پر) کیا گیا تھا۔ کیونکہ ان امور کا آباؤ اجداد میں متواتر ؟ چلے آنا فرزندوں میں آکر قرار پانے کا موجب بنتا ہے۔" (صفحہ ۳۵۵ جلد اول)

۳۔ عبدالمطلب:۔ یہ آنحضرت ﷺ کے جدِ امجد ہیں۔ ان کا مفصل ذکر سابقاً گزر چکا ہے۔ ان کی دینداری کا بھی ذکر ہو چکا ہے کہ آپ موحّد و خدا پرست تھے روزِ جزا اور قیامت کے قائل تھے۔ مستجاب الدعوات اور صاحبِ یمن و برکت تھے۔ اصحابِ فیل کے حملہ کے وقت خانہ کعبہ میں جاکر خالصاً خدائے تعالےٰ سے دعا مانگی اور بتوں سے التجا نہیں کی۔ اپنے لاڈلے بیٹے عبداللہ کے عوض سو اونٹ خالصاً خدا کے نام پر قربان کئے۔ اسی طرح صِغر سنی میں آنحضرت ﷺ کے گم ہونے پر خانہ کعبہ میں جاکر خُدا تعالےٰ سے دعائیں کیں۔ اور پالینے پر بہت سا سونا اور بے شمار اونٹ صدقہ میں دیئے اور اس سے پیشتر آپ کی ولادت پر بھی آپ کو گود میں اٹھا کر خانہ کعبہ لے گئے اور خدائے تعالےٰ سے آپ کے لیئے دعائیں کیں اور خدا کا شکر کیا۔ یہ سب امور انکی توحید پرستی کے دلائل ہیں۔

علامہ محمود شکری رح نے ان کو بھی حکام و موحدین عرب میں شمار کیا ہے آپ عنوانِ حکامِ عرب کے ضمن میں ان کے ذکر میں جو کچھ فرماتے ہیں۔ ہم ان کے ضروری اقتباسات نقل کرتے ہیں۔

۱۔ کَانَ اَیْضًا مِنْ حُکَّامِ قُرَیْشٍ !	آپ بھی حکامِ قریش میں سے تھے۔"
۲۔ وَکَانَ مُجَابَ الدَّعْوَاتِ !	آپ مستجاب الدعوات تھے۔"
۳۔ وَکَانَ مِنْ حُلَمَاءِ قُرَیْشٍ وَحُکَمَائِہَا !	آپ قریشیوں کے صاحبانِ علم اور صاحبانِ حکمت و دانائی میں سے تھے۔"
۴۔ وَکَانَ مِمَّنْ حَرَّمَ الْخَمْرَ عَلٰی نَفْسِہٖ فِی الْجَاہِلِیَّۃِ	آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں بھی اپنے اوپر شراب حرام کر رکھی تھی۔"

۵۔ وَرَفَضَ فِیْ اٰخِرِ عُمُرِہٖ عِبَادَۃَ الْاَصْنَامِ وَوَحَّدَ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ!

آپ نے آخری عمر میں بت پرستی ترک کر دی تھی اور اللہ سبحانہٗ کی توحید کے قائل ہو گئے تھے۔[۱]

علامہ محمود شکری عبدالمطلب کے ذکر میں یہ بھی فرماتے ہیں :۔

"[۱] آخری عمر میں چھوڑنا تب درست ہو جب پہلی عمر میں بت پرستی کرنا ثابت ہو۔ ایک طرف امام سیوطیؒ کہتے ہیں کہ عبدالمطلب وغیرہ کے متعلق ہم کو کوئی روایت ادھر اُدھر کی دستیاب نہیں ہوئی اور دوسری طرف ان کی عمر بھر کے کارناموں میں کہیں شرک و بت پرستی یا کم از کم کسی شرکی دعا کا بھی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ خالصًا خدائے تعالےٰ سے دعا و التجا کرنا دوپہر کے سورج کی طرح چمکتا ہوا ملتا ہے۔ تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کہ انہوں نے بت پرستی آخری عمر میں چھوڑ دی تھی۔ نہیں بلکہ اپنے اسلاف کی طرح ہمیشہ سے ترک کر رکھی تھی"

علامہ محمود شکریؒ نے احوالِ کعب بن لوی میں ایک جامع تقریر لکھی ہے۔ جسے ہم ترجمہ کی صورت میں نقل کرتے ہیں :۔

"علماء میں سے بہتوں کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے سب اصول یعنی باپوں اور ماؤں میں سے سب کے سب اعتقاد میں موحد تھے۔ قیامت اور حساب (اعمال) وغیرہ پر ایمان رکھتے تھے" جو احکام کہ ملتِ حنیفی لے کر آئی (وہ ان سب کے قائل تھے) اور اسی کی طرف اشارہ ہے امام ماوردیؒ کے کلام کا "اعلام النبوت" میں۔ کہ انہوں نے کہا کہ چونکہ انبیاء اللہ خدا کے بندوں میں سے منتخب اور اس کی خلقت میں سے پسندیدہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ خدائے تعالےٰ نے ان کو قیام بالحق کا مکلف کیا ہے، تو انہوں نے نہایت بزرگ عناصر سے خالص کر کے چنا۔ اور ان کو نہایت ستھرے اور استوار رحموں سے نکالا۔ اس لیے کہ انکی نسب قدح سے اور ان کا منصب (نبوت) جرح سے محفوظ رہے تاکہ لوگوں کے نفس ان سے موافقت کریں: اور انکے دل انکی طرف مائل ہوں۔ پس لوگ ان کی قبولیت میں جلدی کریں اور حکموں میں اچھی طرح سے انکی فرمانبرداری کریں۔

(جلد دوم صفحہ ۳۱۲)

۶۔ وَكَانَتْ قُرَيْشٌ اِذَا اَصَابَهُمْ قَحْطٌ يَسْتَسْقُوْنَ بِهٖ فَيَسْقِيْهِمُ اللّٰهُ غَيْثًا عَظِيْمًا ۵ — یعنی جب بارش کی بندش ہو جاتی تو قریش ان کو ساتھ لے کر بارش کی دعا کرتے تو خدائے تعالیٰ ان پر بھاری بارش برساتا۔"

۷۔ وَكَانَ يَفُوْحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الْمِسْكِ الْاَذْفَرِ! — یعنی آپ سے تیز خوشبو والی کستوری کی خوشبو نکلتی رہتی تھی" (جلد دوم صفحہ ۳۱۲)

اسی قسم کی خوشبو آنحضرت صلعم کے بدنِ مبارک اور پسینہ سے بھی نکلتی تھی۔ جیساکہ مشکوٰۃ کی احادیث میں مرقوم ہے[1]

(بقیہ حاشیہ) اسی طرح اس کے بعد حضرت قصیؒ کے بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب نام ذکر کر کے لکھتے ہیں :۔

"ان میں سے کوئی بھی بیقدر و رذیل نہیں اور نہ آلودہ دامن اور ذلیل۔ سب سردار اور قائد (لیڈر) ہیں۔ جو مکارمِ اخلاق اور فضائل میں مشہور تھے) اور یہ امر کتبِ سیر میں بالتفصیل مذکور ہے، جس کے بیان کی یہاں پر گنجائش نہیں۔" (جلد ۲ صفحہ ۳۱۵)

تنبیہہ:۔ بعض لوگوں کو ابو طالب کے اس قول سے ٹھوکر لگی ہے جو انہوں اپنی وفات کے وقت کہا تھا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر (مرتا) ہوں اس کا جواب مع دیگر دلائل خلافیہ کے جوابات کے ہم انشاءاللہ آنحضرت کے والدِ ماجد کے ذکر کے بعد دیں گے۔ واللہ الموافق! ۱۲ منہ۔

[1] تفصیل کیلئے ہماری کتاب سراجاً منیرا کا مطالعہ کرو۔ قیمت مجلد معہ محصول ڈاک ۱۵ ر ملنے کا پتہ (مولانا) محمد ابراہیم میر۔ محلہ میانہ پورہ شہر سیالکوٹ (پنجاب) یا دفتر اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۲ منہ

آنحضرتؐ کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ

سابقاً گزر چکا ہے کہ آنحضرتؐ کے والد ماجد پاکدامنی اور طہارتِ نفس میں اپنے اسلاف کی صحیح یادگار تھے اور یہ بھی کہ آپ اپنے والدِ ماجد حضرت عبدالمطلب کی زندگی ہی میں سترہ یا بقول بعض پچیس سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ اس لیے سوائے چند پاکیزہ اخلاقی واقعات کے کوئی یادگار نہ چھوڑ سکے۔ جس کا اثر قوم قریش کے دل پر ہمیشہ تک رہا۔ اسی طرح آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون کے متعلق بھی گزر چکا ہے کہ آپ عفت و حیا کی دیوی تھیں اور وہ بھی بیس برس کی عمر میں فوت ہوئیں۔ پس سوچنا چاہیے کہ آنحضرتؐ کے والدین کے حق میں قدرت کی یہ بخشش بے معنی نہیں تھی۔ اس میں سرِ قدرت یہی تھا کہ ان کی مبارک پشت اور پاک شکم سے سیدِ اولادِ آدمؑ پیدا ہونے والا تھا۔ اگر اس طہارتِ نفس کے ہوتے ان کے دل اور اعمال نجاستِ شرک و بت پرستی سے ملوث ہوں تو واللہ یہ جوڑ موزوں نہیں ہوگا۔[1] یہ محض حسنِ ظنی کی بنا پر نہیں۔ بلکہ کسی شخص کی شخصیت اور اس پر قدرت کی خصوصی عنایت اور اس سے آئندہ ہمیشہ کے لیے چشمۂ ہدایت و برکت جاری

---

[1] آزر کے قصے سے یہ ٹھوکر نہ لگے کہ وہ آنحضرتؐ کے جدِّ امجد حضرت خلیل اللہ کا والد ہو کر بت پرست بھی تھا۔ نہیں وہ حضرت خلیل اللہ کا والد نہیں تھا بلکہ آپؑ کا چچا تھا۔ جیسا کہ آئندہ امام سیوطیؒ کے قول سے ذکر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ، ۱۲ منہ۔

ہوتے پر نظر کرتے ہوئے تصوّر کی صحت اور ذہنیت کی درستی کی علامت ہے۔ اس تصور کی صحت کی توضیح یوں ہے کہ آنحضرت صلعم کے والدین کی اخلاقی پاکیزگی اور عملی طہارت ہر کہ دمہ کے نزدیک مسلّم ہے باقی رہا مذہبی طور پر اعتقادی حالت، سو اس کے لیے اگر کسی کے پاس کوئی ایسی شہادت موجود ہو کہ معاذ اللہ انہوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا یا اس کے نام کی نذر و قربانی چڑھائی یا کسی بت سے دعا و التجا کی تو بے شک لائے لیکن ہم کمال وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ایسی شہادت کہیں سے بھی دستیاب نہ ہو سکے گی۔[1]

پس کسی معین پاکباز اور صالح الاعمال شخص کے متعلق اس کی بزرگی کے برخلاف کوئی ایسی رائے قائم کرنی جس کی تائید میں کوئی بھی دستاویز نہ ہو ہرگز ہرگز درست نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:-

کُلُّ مولُودٍ یُولَدُ عَلَی الفِطرَۃِ   یعنی ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

(الحدیث)

پس جب تک اس کی ذمہ داری کی عمر میں اس کے برخلاف کفر و شرک کے عقائد و اعمال ثابت نہ ہوں اسے کافر و مشرک نہیں کہہ سکتے۔ سنیئے! قرآن شریف حضرت صدیقہ رضی کے حق میں طوفان کھڑا کرنے والوں کو ہدایت کرتا ہے:-

اِذْ تلقَّونَہٗ بِاَلسِنَتِکُمْ وَ تَقُولُونَ بِاَفْوَاھِکُمْ مَّا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ

---

[1] یہ ٹھوکر نہ لگے کہ سنن میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی والدہ ماجدہ کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی تو منظور نہ ہوئی۔ نیز صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک شخص کو فرمایا تھا ابی و ابیک فی النار انشاء اللہ اس کا جواب دیگر دلائل خلافیہ کے جوابات کے آئندہ الگ فصل میں دیا جائے گا۔ واللہ الموفق ۱۲، منہ

عِلْمٌ وَ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ (نور۔ پ)

تفسیر رحمانی میں اس کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے۔ ہم اُسے بصورتِ ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

جس وقت تم (اس بہتان کو) اپنی زبانوں سے ایک دوسرے سے نقل در نقل کرتے تھے اور باطنی توہمات کے علاوہ اپنے مونہوں سے بھی صدیقہؓ بنتِ صدیقؓ اور خدا کے حبیبؐ کی جلیلہؓ کے حق میں ایسی بات کہتے تھے جس کا تم کو کوئی بھی علم نہیں اور (خدائے تعالیٰ) اس پر کس طرح جلد عتاب نہ کرے، حالانکہ تم اسے سہل سمجھتے ہو کہ اس پر کوئی عتاب وعقاب نہیں ہوگا (اور حقیقت یہ ہے کہ) یہ بات خدا کے نزدیک ایک عظیم امر ہے۔ کیونکہ خدا کے رسول اور خدا کے دوستوں کے حق میں جرأت کرنا خدائے تعالیٰ پر جرأت کرنے کے مشابہ ہے۔

جو لوگ رسولِ خداؐ کے والدین کی طرف کفر وبت پرستی کو نسبت کرتے ہیں۔ ہم ان کے سامنے قرآن مجید کی یہ نصیحت ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

وہ اس بُری نسبت کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل نہ کرو۔ اور محض اس وہم سے کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں ہوئے۔ سید المرسلین (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) کے طاہر ومطہر والدین کریمین کے حق میں ایسی بات اپنے مونہوں سے نہ نکالو جس کا تم کو علم نہیں اور اُسے ایسا سہل نہ سمجھو کہ خدائے تعالےٰ اس پر عتاب نہیں کرے گا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات خدائے بزرگ کے نزدیک بہت بڑی ہے۔ کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے والدین کے حق میں جرأت کرنا

خدائے تعالےٰ پر جرأت کرنے کے مشابہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ زبان کی درانتی کی یہ کاٹ تم کو منہ کے بل گرائے اور لینے کے دینے پڑ جائیں وہاں کسی قسم کی حجت بازی اور مناظرانہ دمخاصمانہ چرب زبانی وقابلیت کام نہیں آئے گی۔ پس احتیاط اس میں ہے کہ آپ اوّل تو خود ان کے کیرکٹر اور طہارتِ نفس پر اور پھر ان کے اسلاف کی شرافت وعظمت اور مذہبی واخلاقی تقدس پر نظر کر کے یہ اعتقاد رکھیں کہ آنحضرتؐ کے والدین اپنے بزرگوں کی طرح اپنے جدِ اعلیٰ حضرت خلیل اللہ کے دین پر تھے کیونکہ ان کے برخلاف شرک وبت پرستی ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہے ومن ادعی فعلیہ البیان یا کم از کم ان کے حق میں کفِ لسان (بندش زبان) اور خاموشی اختیار کریں اور خدا کے سامنے ذمہ داری سے بچیں۔ کیونکہ سلامتی اسی میں ہے۔ قبر میں اور قیامت میں آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ آپ نے ان کو معاذ اللہ کافر کیوں نہیں کہا؟ ہاں اگر وہ خدا کے نزدیک دین حنیفی پر قائم تھے اور آپ ان کے حق میں نامناسب اعتقاد رکھیں گے تو یہ ضرور کہا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کہا؟ اور اگر بالفرض آپ کے نزدیک ان کی خدا پرستی ثابت نہیں تو یہ بھی تو ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی کسی بت کے سامنے سر رکھا ہو یا اس پر نذر وقربانی چڑھائی ہو یا ان کے نام کا وظیفہ جپا ہو۔

پس جب دونوں جانب لاعلمی میں مساوی ہیں تو بموجب ہدایت قرآنی وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ! (بنی اسرائیل پ ۱۵) یعنی نہ پیچھے لگ اس بات کے جس کا تجھے علم نہیں۔" آپ فتوے میں بھی دونوں

جانبوں کو مساوی رکھیں اور ادب واحتیاط کے رو سے اپنی زبان کو
بند رکھیں۔ ہذا واللہ الہادی۔“

○

فصلِ سوم

دلائلِ خلافیہ اور اُن کے جواب

بیانِ سابق میں امام رازیؒ وغیرہ کے اقوال سے جو یہ گزر چکا ہے، کہ آنحضرتؐ کے تمام آباؤ اجداد عفیف و موحد تھے ان میں نہ تو کوئی مشرک تھا اور نہ فاسق۔ اس کے مقابلہ میں عفت و اخلاقی طہارت کی نسبت تو نہیں لیکن بعض لوگوں کو حضرت ابراہیمؑ کے والد اور آنحضرتؐ کے والدین مکرمین اور آپؐ کے جدِ امجد عبدالمطلبؓ کے مذہب کے متعلق کچھ مشکلیں پیش آئی ہیں۔ جن کا حل ہمارا ذمہ ہے، اور سابقاً ہم اس امر کا وعدہ بھی کر چکے ہیں۔

اشکالِ اوّل حضرت ابراہیمؑ کے باپ کے متعلق ہے کہ وہ نصِ قرآنی سے مشرک ثابت ہے اور ابراہیمؑ کے دعا کرنے کے باوجود بھی اس کی بخشش نہ ہوئی اور قیامت کے روز بھی جب مخلوق پلِ صراط سے گزر رہی ہوگی تو آپؐ اُسے دوزخ میں دیکھ کر درگاہِ خداوند تعالےٰ میں عرض کریں گے، لیکن بخشش نہیں ہوگی۔

امام رازیؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آزر جس کا ذکر قرآن وحدیث میں وارد ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا باپ نہیں تھا۔ سب نسب دان علماء کا قول یہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ حقیقی کا نام تارخ تھا اور کتبِ سابقہ تورات موجودہ اور اناجیل میں بھی اسی طرح ہے۔ اور مجازاً دادا کو بھی چاہے وہ

کتنے اونچے درجے پر ہو اور چچا کو بھی اب کے لفظ سے پکارنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور آزر کا حضرت ابراہیمؑ کا چچا ہونا بعض سلف سے بھی منقول ہے۔ نمبر وار سب کے دلائل ملاحظہ ہوں :۔

۱۔ سورۃ انعام کی آیت وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ (پ) کی تفسیر میں جمہور مفسرین نے نسابوں اور مورخین کا قول نقل کیا ہے، کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ حقیقی کا نام تارخ (خائے منقوطہ سے) یا تارح (حائے غیر منقوطہ سے) تھا۔ اور آزر اس کا لقب تھا۔ بعض کا قول ہے کہ دونوں اس کے نام تھے۔ بائیبل کی کتاب پیدائش ب

اور انجیل لوقا باب ۳ میں بھی تارح لکھا ہے۔ اسی طرح قاموس میں ہے :۔

تَارَحُ كَآدَمَ ابو ابراهيم الخليل صلى الله عليه وسلم ! یعنی تارح بروزنِ آدم حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام ہے۔[۱]

اور تاریخ طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر میں بھی تارخ لکھا ہے

ان سب حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ آپؑ کے باپ کا نام تارخ بتانے والے کثیر التعداد علماء ہیں۔

۲۔ چچا کو اور دادا کو اَب کے لفظ سے پکارنا بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے چنانچہ قرآنِ شریف میں ہے، کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنی وفات کے وقت اپنے فرزندوں سے پوچھا۔

---

[۱] آپ کہہ سکتے ہیں کہ مفسرین کے اس قول میں کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ تھا یا آزر یا ایک لقب اور دوسرا نام تھا یا دونوں نام تھے۔ شخصیت تو ایک ہی رہتی ہے سو اس کا جواب آگے آئے گا۔ انشاء اللہ ! ۱۲ منہ۔

یعنے تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے،

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ! انہوں نے جواب میں کہا۔ کہ ہم

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَكَ وَاِلٰہَ عبادت کریں گے ایک ہی معبود کی جو

اٰبَائِكَ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ آپ کے باپوں ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق

وَاِسْحٰقَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ط (علیہم السلام) کا معبود ہے۔"

اس آیت میں جننے والے باپ کو اور دادا کو اور چچا (تایا) کو آبؔ کہا گیا ہے، حالانکہ حضرت ابراہیمؑ حضرت یعقوبؑ کے دادا تھے، اور حضرت اسمٰعیل تایا تھے، اور باپ حقیقی حضرت اسحٰق ہی تھے،

اسی طرح صحیح بخاری میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے غزوۂ حنین کے دن کہا تھا!

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدِ یعنی میں سچا نبی ہوں۔ میں عبدالمطلب

الْمُطَّلِب [1] کا بیٹا ہوں "

اس لیے میں میدان سے بھاگ نہیں سکتا)۔

اس میں آپؐ نے اپنے آپ کو عبدالمطلب کا بیٹا کہا ہے۔ حالانکہ آپؐ ان کے پوتے تھے۔ اور تمام بنی آدم حضرت آدمؑ کو اپنا باپ کہتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو ان کے بیٹے۔ حالانکہ ان گنت پشتیں گزر چکی ہیں۔

تاریخ طبری اور تاریخ کامل میں ہے۔ کہ قریش نے جب ابوطالب سے آکر کہا کہ آپ عمارہ بن ولید کو جو قریشیوں میں نہایت خوبصورت نوجوان ہے اپنا فرزند بنا لیں، اور اپنا بھتیجا (محمدؐ) ہمارے سپرد کر دیں، تاکہ ہم اسے قتل کر دیں

---

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ حنین ۱۲ منہ

تو ابو طالب نے جواب دیا:۔

وَاللّٰهِ لَبِئْسَ مَا تَسُوْمُوْنَنِيْ	یعنی خدا کی قسم! یہ بہت بُرا سودا ہے جو تم
اَتُعْطُوْنَنِيْ ابْنَكُمْ اَغْذُوْهُ لَكُمْ	مجھ سے کرنا چاہتے ہو۔ کیا میں تمہارا بیٹا لوں
وَاُعْطِيْكُمْ ابْنِيْ	تاکہ اسکو تمہارے لیے کھلاؤں پلاؤں اور
تَقْتُلُوْنَهٗ هٰذَا! وَاللّٰهِ	اپنا بیٹا تم کو دے دوں کہ تم اسے قتل کر ڈالو۔
مَا لَا يَكُوْنُ اَبَدًا [۱]۔	خدا کی قسم! یہ ایسی بات ہے جو کبھی نہ ہوگی۔

اس میں صاف مذکور ہے، کہ ابو طالب نے آپؐ کو "اپنا بیٹا"، کہا۔ حالانکہ آپؐ ان کے بھتیجے تھے۔

۳۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، کہ ابراہیمؑ کے باپ کا نام آزر نہیں تھا بلکہ تارخ تھا امام سیوطیؒ نے اسے نقل کرتے وقت کہا ہے۔

لیکن اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہد تابعیؒ سے نقل کیا کہ آزر ابراہیمؑ کا باپ نہیں ہے۔ اس کی نسبت کہا کہ اسے ابن ابی شیبہؒ اور ابن المنذرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے کئی طریق سے روایت کیا جن میں سے بعض طرق صحیح ہیں۔

مجاہدؒ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے تیس [۳۰] دفعہ قرآن پڑھا ہے (خلاصہ) ۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں مکہ شریف میں سجدہ کی حالت میں فوت ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ [۲]

---

[۱] تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۲۲۱ اور تاریخ کامل جلد دوم صفحہ ۲۳-۱۲۲ منہ

[۲] مجاہدؒ نے اپنے استاد حضرت ابن عباسؓ کی صحبت میں عمر کا بیشتر حصہ گزارا ہے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ

اس کے بعد امام سیوطیؒ نے کہا کہ امام ابن المنذرؒ نے بسندِ صحیح ابنِ جریجؒ[1] سے خدائے تعالےٰ کے قول وَاِذْ قَالَ اِبْرٰاھِیْمُ لِاَبِیْہِ اٰزَرَ کی تفسیر میں روایت کیا۔ کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہیں تھا۔ بات یہی ہے کہ آپ ابراہیمؑ بن تیرخ یا تارخ بن شارخ بن ناخور بن فاطم ہیں۔

نوٹ امام مجاہدؒ اور امام ابنِ جریجؒ کے اقوال سے یہ مشکل بھی حل ہو گئی کہ تارخ اور آزر ایک شخصیت کے دو نام نہیں بلکہ دو الگ الگ شخص ہیں کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام آزر نہیں تھا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ وہ ان کا باپ نہیں تھا۔ یعنی اسم کی نفی نہیں کرتے بلکہ مسمّٰی کے باپ ہونے کی کرتے ہیں۔ فافہم ولا تغفل۔

اس کے بعد امامِ سیوطیؒ نے کہا کہ ابن ابی حاتمؒ نے سدیؒ[2] سے بسند صحیح نقل کیا کہ ان سے کہا گیا کہ ابراہیمؑ کے باپ کا نام آزر ہے، انہوں نے کہا نہیں۔ بلکہ تارخ ہے اور لغت کی رو سے عرب لوگ لفظِ اَب کا اطلاق مجازی طور پر بالعموم چچا پر بھی کر لیتے ہیں[2]۔

بقیہ حاشیہ:۔ جبکہ ان سے بسند صحیح ثابت ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہیں ہے، تو حضرت ابنِ عباسؓ سے جو روایت بسندِ ضعیف مروی ہے اس سے اس ضعف کا جبر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ضعف عارضی ہے فتنبہ ۱۲ منہ۔

[1] ابن جریج اصل میں رومی تھے، پھر مکہ شریف میں آ رہے۔ حضرت مجاہدؒ کے شاگرد ہیں، خلاصہ میں ان کو فقیہ اور اعلام اور تقریبُ التہذیب میں ثقہ، فقیہ، فاضل لکھا ہے ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے ۱۲ منہ

[2] سدی گو روایتِ حدیث میں ضعیف ہے اور شیعیت اس پر غالب تھی لیکن ہم نے انکا قول باعتبار اطلاقِ لغت کیا ہے فافہم ۱۲ منہ

اسی طرح امام سیوطی رح نے محمدؒ بن کعب قرظیؒ[۱] سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا۔

اَلْخَالُ وَالِدٌ وَالْعَمُّ وَالِدٌ ۔ یعنی ماموں بھی والد ہے اور چچا بھی والد ہے۔"

پھر یہی آیت قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَائِكَ الخ پڑھی اس کے بعد امام سیوطی رح لکھتے ہیں :"

۔ پس اس بارے میں یہ سب سلف (امت) صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال ہیں[۲]۔"

علاوہ بریں کتبِ لغت میں بھی اس کی تصریح ہے کہ چچا کو بھی اَبْ کہہ لیتے ہیں۔ چنانچہ مفرداتِ راغب میں ہے۔

"چچا کو باپ سے ملا کر ابوین کہتے ہیں اور اسی طرح ماں کو باپ کے ساتھ ملا کر اور اسی طرح دادا کو باپ کے ساتھ ملا کر خدا تعالیٰ نے یعقوبؑ کے قصے میں فرمایا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِی الآیۃ اور اسمٰعیلؑ ان کے آباؤ میں سے نہ تھے بلکہ چچا تھے"۔ (صفحہ ۵)

اسی طرح نزہتہ القلوب (مصنفہ ابوبکر سجستانیؒ) میں ہے۔

اور عرب چچا کو بھی اَبْ اور خالہ کو بھی ام کہہ لیتے ہیں (زیر آیت آبائک۔

---

[۱] محمد بن کعب قرظیؒ فنِ تفسیر میں اپنے زمانہ میں بے مثل مانے جاتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ اور ابنِ عباسؓ اور ابوہریرہؓ وغیرہم صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں تہذیب التہذیب میں ان کے لیے یہ الفاظ ہیں ثقۃ۔ عالم، کثیر الحدیث، ورعٌ صالحٌ عالمٌ بالقرآن ۱۲ منہ

ابراہیم واسمٰعیل واسحاق) صفحہ ۷

اسی طرح لسان العرب میں ہے:۔

وَسَمَّى اللهُ عَزَّ وَجَلَّ العَمَّ أَبًا فِي قَوْلِهِ قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ ط الآیہ یعنی خدائے تعالیٰ نے چچا کو بھی باپ کہا ہے اپنے اس قول میں قَالُوا نَعْبُدُ ،، جلد ۱۸ صہ ۸)

اسی طرح دیگر کتب لغت میں بھی تصریح ہے۔ لیکن بخوفِ طوالت ہم ان کی عبارتیں نقل نہیں کر سکتے اور حقیقت یہ ہے قولِ خداوندی جس کا حوالہ سب لغت والے دیتے ہیں۔ اس کے بعد کسی کے لیے مجالِ گفتگو نہیں ہے۔

اشکالِ دوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ امجد حضرت عبدالمطلب کے متعلق ہے کہ مسند امام احمدؒ وغیرہ میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے خاتون جنت حضرت فاطمہؓ سے ایک ذکر کے سلسلہ میں فرمایا تھا کہ اگر تو ان کے ساتھ قبرستان میں جاتی تو تُو جنت کو نہ دیکھتی جب تک کہ تیرے باپ کا دادا جنت نہ دیکھتا۔" (مختصراً)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب کا خاتمہ اسلام پر نہیں ہوا سو اس کا، جواب دو طریق پر ہے، اوّل معنی و مفہوم کے لحاظ سے، دوم سلسلۂ اسناد کے لحاظ سے۔

معنی و مفہوم کے اعتبار سے یوں ہے کہ اگر اس حدیث کو صحیح سمجھا جائے تو یہ عبدالمطلب کے جنتی ہونے کی دلیل ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ نہ ہونے کی، اس کی توضیح

سلہ امام سیوطیؒ کے یہ سب حوالے ان کی کتاب مسالک الحنفاء سے ماخوذ ہیں ۱۲ منہ

اس طرح ہے کہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے (معاذ اللہ) کوئی ایسا گناہ تو کیا نہیں تھا جس سے کلی طور پر جنت سے محرومی لازم آوے۔ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ حضرت خاتونِ جنت ایک اہلِ خانہ کے ہاں ماتم پرسی کے لیے گئی تھیں آنحضرتؐ نے دریافت کیا کہ بیٹی تو ان کے ساتھ قبرستان میں تو نہ گئی تھی؟ حضرت فاطمہ نے عرض کیا۔ نہیں (اباجان) اس سے خدا کی پناہ جب میں نے آپ سے سنا ہوا ہے کہ آپؐ اس کی نسبت ایسا ایسا فرماتے ہیں۔ تو میں کس طرح جا سکتی تھی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تو ان کے ساتھ قبرستان تک جاتی تو جنت نہ دیکھتی جب تک تیرے باپ کا دادا جنت نہ دیکھتا"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ فرضی گناہ صرف اتنا ہو سکتا تھا کہ چونکہ ابتدائے اسلام میں عورتوں کو قبرستان میں جانے کی ممانعت تھی، اس لیئے اگر حضرت خاتون جنت قبرستان میں جاتیں تو بس (معاذ اللہ) اسی قدر گنہگار ہو سکتی تھیں کہ وہ باوجود ممانعت کے قبرستان میں کیوں گئیں؟ اور معلوم ہے کہ یہ گناہ کفر نہیں۔ شرک نہیں کہ اس سے ہمیشہ کے لیے جنت سے محرومی لازم آوے، اگر بالفرض یہ گناہ طاعتوں سے بخشا بھی نہ جائے۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ جنت میں سابقینِ اوّلین کے ساتھ نہ جانا ہو گا ذرہ بعد کو ہو جائے گا۔ پس جب آنحضرتؐ پڑپوتی اور پڑدادا کے حال کو برابر رکھتے ہیں اور معلوم ہے کہ حضرتِ فاطمہ رضؓ مومنہ صالحہ، عابدہ، صوامہ قوامہ ہیں اور آپ کا محض جنتی ہونا کیا آپ کا حضرت مریمؑ کے بعد سب خواتین جنت کی سردار ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے تو اس فرضی گناہ کی وجہ سے سابقین اوّلین کے ساتھ نہ سہی ان کے بعد وقفہ سے جنت

میں چلی جائیں گی یہ نہیں کہ ہمیشہ کے لیے جنّت سے محروم رہیں گی۔ اسی طرح حضرت عبدالمطلب بھی سابقین اوّلین کے ساتھ جنّت میں نہیں جائیں گے، بلکہ وقفہ ڈال کر بعد کو جائیں گے، کیونکہ آپ اہل فترت سے ہیں۔ جن کا امتحان سابقین کے داخلِ جنّت ہو جانے کے بعد ہوگا۔ جیسا کہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجرؒ کا مذہب ہے کہ قیامت کے دن آنحضرتؐ کے جدِّ امجد اور والدِ ماجدؒ اور والدہ مکرمہ کا امتحان ہوگا اور وہ ایمان لائیں گے، اور داخلِ جنّت ہوں گے۔

اور سلسلۂ اسناد کے لحاظ سے جواب یوں ہے۔ کہ اس حدیث کو امام احمدؒ کے علاوہ امام ابو داؤد اور امام بیہقیؒ نے بھی روایت کیا ہے اور یہ سب کے سلسلۂ اسناد میں ربیعہ بن سیف معافری راوی ہے عون المعبود شرح سنن ابی داؤد میں امام منذری سے نقل کر کے لکھا ہے۔

فِیْہِ مَقَالٌ۔ (صفحہ ج ۳) یعنی اسکی بابت محدثین کو کلام ہے“

اس مقال کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے کہ امام نسائیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور امام بخاریؒ نے کہا کہ یہ ایسی احادیث روایت کرتا ہے جن کی متابعت نہیں کی گئی اور اس کی بہت سی احادیث منکر ہیں۔

(شرح مسند امام احمد جلد ہشتم صفحہ ۲۲)[1]

---

[1] مسند امام احمدؒ کی احادیث کی ترتیب بحسب مضامین حال میں مصر میں چھپ رہی ہے، علامہ احمد بن عبدالرحمٰن ساعاتی اسے ترتیب دے رہے ہیں اور ساتھ ساتھ خود ہی مفصّل شرح بھی فرما رہے ہیں اور لطف یہ کہ اپنے ہی خرچ پر طبع بھی کروا رہے ہیں۔ اس زمانہ میں (باقی حاشیہ بر صفحہ

خلاصہ میں ہے :۔ فی (دس) فرد حدیث منکر غریب (یعنی ابوداؤد اور نسائی میں اس کی صرف ایک ہی حدیث ہے جو منکر و غریب ہے (تہذیب التہذیب میں ہے کہ وہ منکر روایت یہی ہے۔ جس کا ذکر ہو رہا ہے) نیز خلاصہ میں ہے :۔

وعن عبد اللہ بن عمرو فی (ت) فرد حدیث منکر۔

یعنی ترمذی میں بھی عبداللہ بن عمرو کی روایت سے ایک ہی حدیث ہے جو منکر ہے۔"

نیز خلاصہ میں ہے :۔

قال البخاری عندہ مناکیر۔

یعنی امام بخاریؒ نے کہا اس کی کئی احادیث منکر ہیں۔"

امام ذہبیؒ جو نقدِ رجال کے ماہر کامل ہیں۔ میزان میں اس کا ذکر کر کے خاص اسی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"حافظ عبدالحق ازدیؒ نے اسے ضعیف کہا۔ جب کہ ان کے پاس اس

بقیہ حاشیہ :۔ کہ علوم عربیہ سے عموماً اور علوم حدیثیہ سے خصوصاً بے اعتنائی ہو رہی ہے۔ ایسے ماہر عالم کا وجود مغتنمات سے ہے۔ ان کی وسعتِ نظر سلامتی طبع اور دقتِ فہم حیرت انگیز ہے ایسے زمانہ میں کہ اہلِ مصر عموماً یورپ کے شکنجے میں رنگے جا چکے ہیں اور مصری لوگ عام طور پر سیاسیات کے سیلاب میں نہایت گرم جوشی سے بہے جا رہے ہیں وہاں پر خدائے تعالےٰ نے ایسی ہستی بھی پیدا کر دی ہے جو سب کا فدیہ ہو سکتی ہے۔ اس زمانہ میں اہل مصر جس شخص پر سب سے زیادہ فخر و ناز کریں وہ علامہ موصوف ہی کی ذاتِ گرامی ہو سکتی ہے، ہمارے پاس ہمارے مکرم دوست مولوی احمد صاحب دہلوی مقیم مدینہ منورہ کی وساطت سے اس کی پہلی بارہ جلدیں آگئی ہیں۔ قمر اسلم اللہ ۱۲

۱ محرم ۱۱ ھ

کی روایت بیان کی گئی کہ آنحضرتؐ نے خاتونِ جنّت حضرت فاطمہؓ کو کہا کہ کیا
تو ان لوگوں کے ساتھ قبرستان تک گئی تھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضورؐ !
نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو ان کے ساتھ قبرستان میں جاتی تو تُو جنّت
میں داخل نہ ہوتی جب تک کہ تیرے باپ کا دادا داخل نہ ہوتا۔ پس
حافظ عبدالحقؒ نے (یہ سن کر) کہا کہ وہ (ربیعہ بن سیف) ضعیف الحدیث
ہے۔ اس کی روایات منکر ہیں اور کہا امام ابن حبانؒ نے کہ اس روایت پر
ربیعہ کی متابعت نہیں ہوئی (یعنی کوئی دیگر راوی اس کی تائید نہیں کرتا۔
اور وہ اکیلا حجت نہیں ہے) اس کی احادیث میں منکر[1] روایات بھی ہیں۔"

(میزان جلد اوّل صفحہ ۲۹۸ مطبوعہ ہند)

میرے معزز ناظرین! اس راوی ربیعہ بن سیف اور اس کی اس روایت
کی بابت محدثین کی تصریحات آپ کے سامنے ہیں اور حضرت عبدالمطلب کی
عظمت و جلالت اور درگاہِ ایزدی میں انابت و استجابت اور مخلوقِ خدا پر شفقت

---

[1] اگر کوئی ضعیف یا مستور الحال راوی ثقات کے مخالف روایت کرے تو اس کی روایت کو منکر کہتے ہیں۔ چنانچہ
حافظ ابن حجرؒ شرح نخبہ میں فرماتے ہیں وان وقعت المخالفۃ مع الضعف فالراجح یقال لہٗ
المعروف ومقابلہ یقال لہ المنکر۔ پھر تھوڑا آگے فرماتے ہیں:- انّ الشاذ روایۃ ثقۃٍ
وصدوقٍ والمنکر روایۃ ضعیفٍ، ۱۲ منہ

اسی طرح امام زرقانی کی شرح بیقونیہ صفحہ ۷۰ میں ہے:-
والمنکر ما خالف فیہ المستور او الضعیف الذی لم ینجبر بمتابعۃ مثلہ! ان حوالجات سے واضح ہوگیا
کہ جب امام بخاریؒ وغیرہ اس ربیعہ کی روایات کو خصوصاً حافظ عبدالحق ازدی منکر کہتے ہیں اور اس
کی متابعت کی بھی نفی کرتے ہیں تو یہ راوی اور اس کی یہ روایت سراسر ضعیف ہے ۱۲ منہ۔

وسخاوت اور بت پرستی اور مسکرات سے اجتناب اور اپنی اولاد کی تربیت ملتِ ابراہیمی کے اصول پر کرنا بھی آپ صفحاتِ سابقہ میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ کیا آپ کی ضمیر یہ شہادت دے سکتی ہے کہ ایسے جلیل القدر شخص کی نسبت ایسی رائے کہ معاذ اللہ وہ جنت سے محروم رہے درست ہے؟ دیگر یہ کہ محدثین کی موافقت میں یہ کہنا کہ اس راوی نے خطا کی آسان ہے اور یہ کہنا کہ آنحضرتؐ کے جدِ امجد کی بخشش نہیں ہوگی۔ حالانکہ بت پرستی سے ان کی پرہیز اور خالص خدائے تعالیٰ سے التجا ودعا ثابت ہے بہت بھاری امر ہے۔ تَحْسَبُونَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ط

۲:۔ حضرت عبدالمطلب کے متعلق دوسری خلافی روایت یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ہے آنحضرتؐ ابوطالب کے پاس اس کی موت کے وقت گئے، اور وہاں ابوجہل اور ابن ابی امیہ بھی تھے آنحضرتؐ نے کہا چچا جان کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کیجئے، میں خدا کے ہاں آپ کے لیے اس کی شہادت دوں گا۔ ابوجہل نے کہا کیا تو عبدالمطلب کے مذہب سے بیزار ہو جائے گا۔ ابو طالب نے کہا میں عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عبدالمطلب بھی شرک کی حالت میں فوت ہوا۔

امام سیوطیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رو سے بالخصوص عبدالمطلب کے متعلق ایمان کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے تاویلِ قریب ہو نہیں سکتی اور تاویلِ بعید کو اہلِ اصول تسلیم نہیں کرتے (مسالک صفحہ ۳۹)

یہ عاجز کہتا ہے اس کا جواب مشکل نہیں۔ آسان ہے، نہ

تاویل کی ضرورت ہے نہ حدیث کی صحت میں کلام ہے اس کی توضیح یوں ہے۔ کہ جب عبدالمطلب کے متعلق حسب تصریحاتِ سابقہ معلوم ہو چکا ہے۔ کہ آپ ملتِ ابراہیمی پر تھے اور ساری عمر میں نہ تو ان کے متعلق بت کو سجدہ[۱] کرنے یا اس کے گرد طواف[۲] کرنے کی کوئی روایت ہے۔ اور نہ کبھی بت کی نذر گزارنے یا اس سے دعا والتجا کرنے کا ثبوت ہے، بلکہ اس کے برخلاف خالصًا خدائے تعالےٰ سے دعا کرنے اور اس کے نام کی قربانی کرنے اور سنن ابراہیم کو قائم کرنے اور اپنی اولاد کو اسی کی ہدایت وتعلیم کرنے کی تصریحات موجود ہیں۔ تو ان کو مشرک کہنے کی کوئی صورت نہیں۔ بلکہ ہم تو یہ بھی کہنے کو تیار ہیں۔ کہ ابوطالب کی نسبت بھی بت پرستی کا کوئی ثبوت نہیں۔ جیسا کہ اس کے توحیدی اشعار سے ثابت ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ ابوطالب کو دعوتِ نبوت پہنچ چکی ہے اور وقت کے نبیؐ یعنی خود آنحضرتؐ بالمشافہ ان کو دعوت دے رہے ہیں۔ اور وہ دعوت کو قبول نہیں کرتا۔ تو وہ کافر ہوا۔ نہ کہ مشرک لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت عبدالمطلب نے تو دعوت کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ لہٰذا نہ آپ ان کو کافر کہہ سکتے ہیں نہ مشرک شاید آپ جلدی سے یہ کہہ دیں کہ آنحضرتؐ ابوطالب کے سامنے بھی تو صرف کلمۂ توحید ہی پیش کر رہے ہیں اور وہ اس کا اقرار نہیں کرتا۔ بلکہ کہتا ہے کہ

اَنَا عَلٰی مِلَّۃِ عبد المطلب — یعنی میں مطلب کی ملت پر ہوں

تو معلوم ہوا کہ عبدالمطلب بھی توحید کا قائل نہیں تھا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ابوطالب کے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے

کہنے اور عبدالمطلب کے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کہنے میں اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، دعوتِ رسالت کے نہ پہنچنے کی صورت میں صرف توحید کا اقرار نجات کے لیئے کافی ہے۔ اور اس میں کسی امامِ سنت کو اختلاف نہیں۔ عبدالمطلب کے وقت دعوتِ رسالت تھی نہیں، اس لیے ان کے لیے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا اقرار مجملاً بھی کافی تھا۔ لیکن ابوطالب کو جب خود صاحبِ دعوت رسول، دعوتِ کلمۂ توحید دے رہے ہیں۔ تو اپنی رسالت پر ایمان لانے کو حذف و ساقط کر کے نہیں دے رہے۔ بلکہ ایمانِ تفصیلی کی دعوت دے رہے ہیں۔ جیساکہ صحیح بخاری میں وفد عبدالقیس والی روایت میں ہے، کہ آنحضرتؐ نے ان کو پوچھا۔ کہ تم جانتے ہو۔ کہ ایمان باللہ کیا ہے؟ اس کے بعد فرمایا کہ ایمان باللہ یہ ہے، کہ تو خدا پر ایمان لائے، اور اس کے رسول کی رسالت کا اقرار کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔ الحدیث (کتاب الایمان) اسی طرح حدیثِ جبرئیلؑ میں بھی ایمان کے معنی یہی بیان کئے ہیں اور یہ سب معنی تفصیلی ایمان کے ہیں اگر آپ عبدالمطلب اور ابوطالب کے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے اجمال اور تفصیل کا فرق نہیں کرتے تو کیا آپ اس بات کو جائز جانتے ہیں۔ کہ اگر بالفرض ابوطالب بغیر تصدیق رسالت کے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ دیتا۔ تو اس کا یہ ایمان موجب نجات ہو جاتا؟ تو آپ کو سکھوں اور آریوں کو کافر کہنے میں بہت مشکل پیش آئے گی، جو بغیر اقرارِ رسالت آنحضرتؐ کے، توحیدِ الٰہی کے قائل ہیں۔

پس ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ ابوطالب کو جو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

کہنے کے لیے فرمارہے ہیں، وہ مع اقرارِ رسالت کے فرمارہے ہیں۔
جو متضمن سب تفصیلاتِ ایمان کا ہے اور ابوطالب نے جو کہا کہ میں
عبدالمطلب کی ملّت پر ہوں، تو اس نے ایمان بالرسالت کے سوا صرف
اجمالی ایمان کو کافی جانا۔ جو آنحضرتؐ کی بالمشافہ دعوت کے وقت
کافی نہیں تھا۔ پس ابوطالب رسالت کا منکر ہوا[۱]۔ جس کی وجہ سے
(افسوس) اس کی مغفرت نہ ہوئی لیکن عبدالمطلب کو دعوت نہیں پہنچی
اور اس کے لیے حسب ان تصریحات کے جو ہم سابقًا بالتفصیل بیان کر چکے
ہیں اجمالی ایمان بالتوحید کافی تھا۔ اور اس میں تمام ائمہ سنت متفق ہیں کہ
جس شخص کو کسی رسولؑ کی دعوت نہیں پہنچی۔ تو اس کا حساب محض توحید کے
اقرار کا ہوگا۔ اگر پایا گیا تو اس کی نجات ہوگی ورنہ نہیں۔ کیونکہ توحید کا اقرار
فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے، اور جملہ کائنات ارضی وسماوی اس کی
شہادت دے رہی ہیں، اور ایمان بالرسالت سماعت پر موقوف ہے
جب سماعت نہیں ہوئی تو اس کا حساب بھی نہیں ہوگا۔ اور ہم بار
بار کہتے ہیں، کہ حضرت عبدالمطلب کے موحد ہونے کے خلاف کوئی
دلیل مدلّل اور وجہ موجبہ نہیں ہے۔

ومن ادّعی فعلیہ   یعنے ثبوت بذمہ مدعی۔

البیان   ھٰذا وَالحمد للہ۔[۲]

---

[۱] یعنی آنحضرتؐ کے پیغام کو من عند اللہ نہ جانا۔ ورنہ وہ دینِ اسلام کی خوبی کو تسلیم کرتا تھا۔ ۱۲ منہ

[۲] مولوی عبداللہ صاحب لائل پوری نے تاریخ حافظ ابنِ کثیرؒ سے ایک دیگر روایت حضرت
عبدالمطلب کے خاتمہ کے متعلق ہمارے خلاف لکھی ہے ۱۲ منہ

امام سیوطی کی تصانیف کا خلاصہ

امام سیوطیؒ نے اس امر میں متعدد رسالے لکھے ہیں:-

۱۔ مسالک الحنفا فی والدی المصطفٰی۔
۲۔ الدرج المنیفہ فی الآباد الشریفہ۔
۳۔ المقامتہ السندسیہ فی النسبتہ المصطفویہ۔
۴۔ التعظیم والمنہ فی انّ ابوی رسول اللہ فی الجنۃ۔
۵۔ نشر العلمین فی احیاء الابوین الشریفین۔
۶۔ السبل الجلیتہ فی الآباء العلیۃ۔

یہ سب رسالے حیدر آباد دکن میں طبع ہو چکے ہیں۔ خلاصہ مطلب ان سب کا یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے آباد کرام کے متعلق علمائے اسلام کے چار مسلک ہیں۔

اول یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماں باپ (میرے ماں باپ ان پر سے فدا ہوں) زمانۂ فترت میں دعوت سے پیشتر فوت ہو گئے۔ اور بغیر تبلیغ رسالت کے عذاب کرنا خدا کا قانون نہیں۔ اس مسلک کے قائل شیخ الاسلام شرف الدین مناویؒ اور سبط ابن جوزیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہم ہیں، پھر حافظ ابن حجرؒ کے قول سے نقل کیا کہ آنحضرتؐ کے آباء جو زمانۂ فترت میں فوت ہو گئے، قیامت کے دن ان کا امتحان ہوگا۔ پس وہ ایمان لے آئیں گے۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے ماں باپ کا شرک کرنا ہرگز ثابت نہیں۔ وہ اپنے جدِ اعلیٰ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔ جس طرح اولادِ حضرت اسمٰعیلؑ میں سے کئی ایک دیگر لوگ بھی قائم تھے۔ اس مسلک کے قائل امام فخرالدین رازیؒ ہیں[۱]۔ اور ان کے ساتھ بہت سی جماعت علماء کی ہے۔

تیسرا مسلک یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے والدین کو خدائے تعالےٰ نے حضورؐ کی برکت سے زندہ کیا حتیٰ کہ وہ آپؐ پر ایمان لائے، اور پھر فوت ہو گئے۔ اس کے قائل بھی بڑے بڑے حفاظِ حدیث ہیں۔ مثلاً ابنِ شاہینؒ اور حافظ خطیبؒ بغدادیؒ اور سہیلیؒ اور قرطبیؒ اور محبؒ طبری اور علامہ ناصرالدین ابن المنیرؒ وغیرہم۔

چوتھا مسلک وقف وسکوت ہے کہ ادب و احتیاط کے رو سے ہم اپنی زبانوں کو بند رکھیں کیونکہ آنحضرتؐ کے والدین کے حق میں خصوصاً اور دیگر کسی کے حق میں عموماً جس کی نسبت ہم کو علم نہیں کہ اس نے کفر یا شرک کیا۔ یہ کہنا کہ وہ کافر ہے یا مشرک ہے ذمہ داری کا قول ہے، اور سکوت میں ذمہ داری نہیں ہے، اس مسلک کے متعلق امام سیوطیؒ نے بعض صالحین کے واقعات لکھے ہیں مثلاً یہ کہ:۔

۱۔ قاضی ابوبکر ابن عربیؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرتؐ کے والدین دوزخ میں ہیں، تو آپ نے جواب دیا کہ وہ شخص ملعون ہے

---

[۱] امام سیوطیؒ نے امام رازیؒ کے اس قول کا حوالہ تفسیر کبیر سے نہیں بلکہ ان کی ایک دیگر تصنیف اسرار التنزیل سے دیا ہے ۱۲ منہ۔

کیونکہ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے :-

"جو لوگ ایذا دیتے ہیں خدا اور اس کے رسول کو ان پر لعنت کی خدا نے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔"

(احزاب پ ۲۲)

اور رسول اللہ ؐ کے حق میں اس سے زیادہ کون سی ایذا ہے کہ آپؐ کے والدین کو دوزخی کہا جائے۔

۲:- خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحؒ کے پاس ایک محرر دفتر کے کام کے لیے لایا گیا جو خود تو مسلمان تھا لیکن اس کا باپ کافر تھا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے لانے والے شخص کو کہا۔ کاش تو مہاجرین کے بیٹوں میں سے کسی کو لاتا اس محرر نے کہا کہ رسول اللہ کے والد بھی تو کافر تھے، اس پر خلیفہ کو غضب آیا۔ اور فرمایا تو میرے سامنے کتابت کا کام کبھی نہیں کرے گا۔

۳:- خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحؒ نے سلیمان بن سعد سے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تمہارا باپ فلاں فلاں مقام پر ہمارا عامل ہے اور وہ (ابھی تک) کافر ہے، اس نے جواب میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بھی تو ایسے ہی) تھے۔ اس پر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز سخت غضب ناک ہوئے، اور اس کو دفتر سے موقوف کر دیا۔[1] اس ادب کے مسلک پر بھی صالحین کی ایک خاصی جماعت ہے۔[2]

---

[1] الدرج المنیفہ صفحہ ۱۷، ۱۸، ۱۲ منہ

[2] امام سخاوی رحؒ نے اپنی کتاب المقاصد الحسنہ میں آنحضرتؐ کے (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ)

بقیہ حاشیہ :۔ والدین مکرمین کے دوبارہ زندہ ہونے کی حدیث کے بیان میں سے ضمن میں کہا ہے کتبت فیہ جزء والذی اراہ الکف عن التعرض لھٰذا اثباتاً ونفیاً ! (صفحہ ۱۱ مطبوعہ ہند) یعنی میں نے اس امر میں ایک خاص رسالہ تصنیف کیا ہے۔ اور میرے نزدیک اس امر کے درپے ہونے سے باز رہنا (بہتر) ہے۔ اثبات میں بھی اور نفی میں بھی۔

جماعت اہلحدیث کے گستاخ ہیرو جو اپنے مسلک کے مخالف علماء متقدمین ہوں یا متاخرین) کو کوسنے میں خوب مشاق ہیں (ملاحظہ ہو الجرح علی ابی حنیفہؒ یعنی مولوی ابوالقاسم صاحب بنارسی۔ امام سیوطیؒ سے بہت خفا ہیں۔ کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور دیگر آباء و اجداد حماد کے متعلق ایسے رسالے کیوں لکھے مسئلہ میں اختلاف دیگر امر ہے۔ لیکن کسی بزرگ کی منقصت جائز نہیں۔ مولوی ابوالقاسم صاحب کو امام سیوطیؒ کو کوسنے کا سہارا اس سے مل گیا۔ کہ امام سخاویؒ امام سیوطیؒ کے استاد ہیں۔ وہ ان کی بابت کہتے ہیں کہ سیوطیؒ نے ماہر استادوں سے علوم و فنون کی تحصیل پختگی سے نہیں کی۔ انہوں نے کتب خانہ محمودیہ کی کتابیں از خود مطالعہ کر لیں۔ اور ان میں الٹ پھیر اور تغیر و تبدل کر کے اپنے نام سے نامزد کر دیں ۱۲ ملخصاً (اخبار اہلحدیث جلد ۳۹ نمبر ۳)

اولاً تو یہ گذارش ہے۔ کہ امام سخاویؒ خاص اس مسلک میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے حق میں کف لسان چاہیئے، امام سیوطیؒ کے ساتھ ہیں۔ پس کم از کم مولوی ابوالقاسم صاحب کو بھی یہی مسلک اختیار کرنا چاہیئے تھا۔ ثانیاً یہ کہ اگر بالفرض امام سیوطیؒ نے دوسروں کی کتب کا انتخاب ورد و بدل کر کے اپنی طرف نسبت کر دی تو کیا مولوی ابوالقاسم صاحب میرے رسالہ الہادی سیالکوٹ کے مضامین کو نوکِ زبان یاد کر کے اور بعض کو الگ کاغذ پر نقل کر کے جلسوں میں اپنے نام سے نہیں سناتے رہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اور میرے مضامین جو اخبار اہلحدیث میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض کو نقل کرنے جلسوں میں اور بعض کو اپنی تصانیف میں میرا نام ظاہر کئے بغیر اپنے نام سے شائع نہیں کرتے رہے، اور خاص اسی پرچہ مذکورہ نمبر ۳ میں جو اشتہار صفحہ ۱۵ پر بعنوان، جمع القرآن والاحادیث درج ہے، اور اسے آپ کے زورِ قلم کا نتیجہ بتایا گیا ہے، آپ حلفیہ بیان کر دیں کہ وہ میری کتاب تائید القرآن اور تاریخِ اہلحدیث کا انتخاب نہیں ہے۔ تو کیا آپ مولوی نہیں کہلاتے، مولوی تو آپ کے لیئے حقیر لفظ ہے۔ اب تو آپ مجتہد العصر بھی کہلانے لگ پڑے ہیں (ملاحظہ ہو رسالہ تبصرہ صـ۲۶) جو میرے ایک نالائق شاگرد محمد شفیع مئوی کے نام سے شائع کیا گیا ہے اور اس میں، سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ..... دل کھول کر کی گئی ہے۔ اور کتاب الجرح علی ابی حنیفہ کی دوبارہ زہر پاشی کی گئی ہے۔ دیکھو وہی کتاب تبصرہ کا صفحہ ۳۱ سے ۳۶ تک۔

ثالثاً یہ کہ امام سخاوی سخت گیر ہیں۔ اکیلے امام سیوطی ہی ان کی تحقیر و تنقیص کے آماجگاہ نہیں ہیں۔ وہ تو امام ابراہیم بقاعیؒ صاحب تفسیر نظم الدرر فی تناسب الآی والسور (جو بہترین تفاسیر میں سے ہے) کو بھی رتبہ، علماء تک پہنچا ہوا نہیں مانتے تھے (دیکھو اقتفاء الارب صفحہ ۱۷۹) تو کیا ہم ان کے کہنے سے امام بقاعیؒ جیسے جلیل القدر مفسر کو بھی عالم نہ سمجھیں۔

نیز یہ کہ ایڈورڈ کرنیلیوس نے اپنی کتاب "اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع" میں حضرت سید نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کیا کچھ لکھا ہے! کیا انہوں نے بیشتر وہی باتیں نہیں لکھیں جو علامہ سخاویؒ نے امام سیوطیؒ کے حق میں لکھی ہیں خدائے تعالیٰ ہر سہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین مولوی محمد شفیع مئوی اور مولوی ابو القاسم بنارسی امام ابو حنیفہ کی منقصت کرنے کا خمیازہ بھگت چکے ہیں۔ لیکن عبرت تصیب اعلاد ۱۲۰۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ

التماس ضروری:۔ (یہ عاجز ایک معمولی انسان ہے کوئی کمال واقعی یا ادعائی نہیں رکھتا۔ ہاں فراغِ روزی[۱] کے شکریہ میں ذکرِ الٰہی اور علمی خدمت میرا عام اور دلپسند شغل رہا ہے (خدائے تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرماوے) علمی تحقیقات میں میرے مسلک کا خلاصہ دو لفظوں میں سمجھ لیجئے کہ منصوصات وسلف کے اجماع سے توسرتابی کی گنجائش نہیں، اور ان کے اختلافی امور میں جس قول کو اوفق پاتا ہوں اسے پکڑ لیتا ہوں، پھر بھی خدا تعالیٰ سے شرحِ صدر کی دعائیں کرتا رہتا ہوں۔ آنحضرت صاحبِ وحی ہو کر نمازِ تہجد کے افتتاح میں دعا مانگتے تھے:۔ اِھدِنی لِمَا اختلِفَ فِیہِ

(بقیہ حاشیہ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے امام سیوطی کی نسبت لکھیں الامام الجلیل اور مولینا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی ان کو مجدد المائۃ التاسعۃ یعنی نویں صدی کے مجدد کہیں اور حضرت سید نواب صاحب مرحوم ان کو مجتہد مانیں اس کے خلاف مولوی ابو القاسم صاحب بنارسی ان کو خاطر میں نہ لائیں جن کی قرآن خوانی بھی درست نہیں تو ہم ان بزرگوں کی مانیں یا ان کی ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب

بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

[۱] خدائے تعالیٰ نے اپنے ارادۂ ازلی سے مجھے ایسے متمول باپ کے ہاں پیدا کیا جو نعمتِ دنیا کے ساتھ نعمتِ دین سے بھی بہرہ ور تھا۔ والدِ مرحوم نے میری رغبت علوم دینیہ کی طرف دیکھ کر جناب حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم وزیرآبادی کے دستِ مبارک پر فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔ اور مجھے حقِ وراثت میں اتنا حصہ دے گئے کہ ساری عمر میں روزی کمانے کی حاجت نہیں پڑی ربِ اغفرلی ولوالدی ولاساتذتی ۱۲ منہ"

مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ [۱]
(رواہ مسلم والاربعۃ وابن حبان عن عائشۃ) (حصنِ حصین لکھنوی صفحہ ۲)

لہٰذا میں اور دیگر لوگ تو اس دعا کے زیادہ لائق ہیں۔

جس روز میں سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مکرمین کے متعلق مضمون لکھنے والا تھا، طاقت بھر مطالعہ کتب کرنے کے بعد تازہ غسل کیا۔ وضو کیا، اور دو رکعت نماز طلب مغفرت، اور مدد کے لیے پڑھی۔ اور سجدوں اور التحیات میں شرحِ صدر کی دعائیں مانگیں۔ الحمد للہ کہ خدائے تعالےٰ نے مجھے طمانینت بخشی اور اب میں پورے ثلج خاطر سے مضمون لکھنے لگا ہوں۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمادے، اور اسے میرے لئے ذخیرۂ عاقبت بنادے، اور قیامت کے روز اپنے حبیبِ پاکؐ کے جھنڈے تلے جگہ دیوے۔ جن کے والدین کی عظمت و محبت سے اس نے میرا دِل و دماغ معمور پر نور کر دیا ہے۔ وجدانی طور پر اس وقت دل میں اتنی کشادگی ہے۔ کہ گردوپیش کی وسعتیں میرے سینے میں سمائی ہوئی ہیں۔ اور اوپر سے یہ معلوم ہے۔ کہ کسی شئے نے مجھے زور سے دبایا ہوا ہے۔ اس لئے حضراتِ علماء سے التماس ہے۔ کہ جن کو اس امر میں اختلاف ہو۔ وہ ظاہری دلائل پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے مجاہدہ، اور ریاضت سے بھی خدائے تعالےٰ سے شرح صدر کی دعائیں کریں۔ قَالَ اللّٰہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ط (عنکبوت پ ۲۱) وَبِاللّٰہِ اعتصم مِمَّا یَصِمُ!

---

[۱] یعنی خداوندا تو مجھے اپنے حکم سے حق کی ہدایت کر جس میں لوگوں نے اختلاف ڈال دیا۔ بیشک تو سیدھی راہ پر لے آتا ہے۔ جسے تو چاہے"، ۱۲ منہ

اشکالِ سوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے متعلق ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت نے ایک شخص کے جواب میں فرمایا تھا:- اِنَّ اَبِي وَ اَبَاكَ فِي النَّارِ!
(صحیح مسلم صفحہ ۱۱۴ ج ۱) "یعنی میرا اور تیرا باپ دونوں آگ میں ہیں" (استغفراللہ)

اس کا جواب امام سیوطیؒ نے یہ دیا ہے۔ کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت انس رضؓ سے بواسطہ حماد بن سلمہ عن ثابت ہے۔ لیکن ابو داؤدؒ نے یہی حدیث حضرت انس رضؓ سے بواسطہ معمر عن ثابت روایت کی ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں اِذَا مَررْتَ بِقَبْرِ فَبَشِّرْهُ بِالنَّارِ ط

"یعنی تو جس کافر کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے آتشِ (دوزخ) کی خبر سنا دے۔"

ان الفاظ میں آنحضرتؐ کے والد ماجد کا ذکر نہیں[1] ہے۔ پس یہ روایت فریقِ مخالف کو مفید نہیں۔ حماد بن سلمہ بلاشک بڑے لوگوں میں سے ہیں۔ لیکن حافظ ابنِ حجرؒ وغیرہ ائمہ حدیث نے تصریح کی ہے کہ:-

"آخیر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ اور امام بخاریؒ اُن کی روایت کو تعلیقات میں بطور شہادت لاتے ہیں۔ دلیل و حجت میں نہیں لاتے" (مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۶۲)

دیگر یہ کہ ان الفاظِ مذکورہ کی روایت میں کوئی دیگر راوی ان کی متابعت

---

[1] مولینا ثناء اللہ صاحب مدظلہ نے اس پر لکھا تھا کہ امام بخاریؒ نے صحیح لکھا ہے۔

۱۲ جواباً گزارش ہے کہ یہ قاعدہ علی الاطلاق نہیں ہے۔ بلکہ اس میں محدثین کے نزدیک تفصیل ہے۔ جیسا کہ کتب اصولِ حدیث نیز فتح الباری میں مصرح ہے۔ ۱۲ منہ

نہیں کرتا۔ لیکن معمر والے الفاظ ایک دوسرے صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ
سے بھی مروی ہیں۔ چنانچہ امام بزار اور طبرانی اور بیہقی بواسطہ ابراھیم بن سعد
(معدنی) عن عامر بن سعد عن ابیہ (سعد بن ابی وقاص رضؓ)
روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سائل کو کہا
تھا:۔
حَیْثُمَا مَرَرْتَ بِقَبْرِ کَافِرٍ فَبَشِّرْهُ بِالنَّارِ" "یعنی تو جہاں کہیں بھی
کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے آتشِ (دوزخ) کی خبر سنا دے"
اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور صحیح بخاری، صحیح مسلم کی شرط پر ہیں۔ پس
ان الفاظ پر اعتماد کرنا اور ان کو دوسروں پر مقدم جاننا متعین ہو گیا۔
دیگر یہ کہ امام طبرانیؒ اور امام بیہقیؒ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ اعرابی
مسلمان ہو گیا (اس کا دستور تھا۔ کہ وہ جس کافر کی قبر کے پاس سے گزرتا اسے
آتش دوزخ کی کی خبر سنا دیتا) اور وہ کہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
نے میرے ذمہ ایک بھاری تکلیف لگا دی کہ میں جب بھی کسی کافر کی قبر
کے پاس سے گزرتا ہوں، تو اسے آتشِ دوزخ کی خبر سنا دیتا ہوں۔"
اس اعرابی کے اس دستور کا ذکر اور آنحضرتؐ کے وہ الفاظ جو معمر کی
روایت والے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے مروی ہے۔ جو امام ابن
ماجہؒ نے ابراہیم بن سعد مدنی مذکور الفوق سے اس نے امام زہری رضؓ سے
اس نے حضرت سالم رضؓ سے اس نے اپنے باپ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ
سے روایت کئے ہیں۔ اور اس کے بھی سب راوی جلیل القدر اور
ثقہ ہیں، اور سلسلہ اسناد بالکل متصل ہے۔ اس کے بعد امام سیوطیؒ
فرماتے ہیں۔

" اس زیادت نے بلاشک وشبہ واضح کر دیا۔ کہ عام روایات میں یہی الفاظ ہیں۔ (یعنی معمر کی روایت والے) جو آنحضرتؐ کی زبانِ مبارک سے صادر ہوئے اور یہی الفاظ اس اعرابی کے لئے تعمیل حکم کے مقتضی ہوئے۔ اور اس شخص کو سوائے اس حکم کی تعمیل کے کسی دیگر امر نے تکلیف میں نہ ڈالا تھا۔ اور اگر پہلے الفاظ والا یعنی حماد راوی کے الفاظ والا جواب ہوتا۔ تو اس میں تو کسی قسم کا حکم ہی نہیں۔ (پھر تعمیل پر تکلیف کیسی ہے) پس معلوم ہو گیا کہ پہلے الفاظ یعنی حماد کی روایات والے الفاظ راوی کے تصرف سے ہیں۔ جو اس نے اپنے فہم کے مطابق بامعنی روایت کر دیئے۔

اس کے بعد امام سیوطیؒ نے صحیح مسلم ہی میں روایت بالمعنی ہونے کی مثال میں بیان کیا کہ اس میں حضرت انسؓ سے (ابتدائے فاتحہ میں) بسم اللہ پڑھنے کی نفی منقول ہے۔ اور امام شافعیؒ نے اس کی علت یہی بتائی ہے۔ (کہ نفی راوی کے ظن سے ہے)[1]

اس کے بعد امام سیوطیؒ نے ایک اور مفصل حدیث بحوالہ مستدرکِ حاکم ذکر کی ہے۔ جو حضرت لقیط بن عامرؓ صحابی سے مروی ہے۔ اور اس

---

[1] چنانچہ الفیہ عراقی میں حدیث معلل کے بیان میں کہا ہے۔

وَعِلَّةُ المَتْنِ كَنَفْيِ البَسْمَلَةِ ۔۔۔ اِذْ ظَنَّ رَاوٍ نَفْيَهُ فَنَقَلَهُ

یعنی متن میں علت ہونے کی مثال، بسم اللہ کی نفی ہے۔ کیونکہ کسی راوی نے اس کی نفی سمجھی تو اس نے اسے با الفاظ نقل کر دیا۔ ۱۲ منہ ؎

کی سند صحیح ہے۔ اس میں بھی ویسے ہی الفاظ ہیں۔ جیسے معمر کی روایت میں ہیں۔ امام سیوطیؒ نے اس کی نسبت کہا ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں اور یہ سب روایتوں سے واضح اور روشن ہے۔ (مسالک الحنفاء صفحہ ۴۹ سے صفحہ ۵۱ تک مختصراً)

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ معمر راوی والے الفاظ کئی طریق سے مروی ہیں۔ اور ان میں مخالفت کے لیئے کوئی دستاویز نہیں۔ پس معمر کی خاص اس روایت کو اس اعتبار سے قوت اور ترجیح ہے اگرچہ ثابت کی عام روایت میں حماد کو ترجیح ہوتی ہے۔ واللہ الہادی)

اشکالِ چہارم | آنحضرت کی والدہ مکرمہ کے متعلق ہے۔ کہ سنن ابن ماجہ میں یزید بن کیسان کے طریق سے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر گئے اور بہت روئے۔ بلکہ ساتھ والوں کو بھی رونا آ گیا۔ پس فرمانے لگے میں نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ اپنی والدہ کے لیے بخشش مانگوں لیکن اجازت نہیں ملی۔ الحدیث مختصراً۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ (معاذ اللہ) آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ کا انجام اسلام پر نہیں ہوا۔

اس کا جواب اولاً تو یہی ہے کہ یہ روایت مسند امام احمدؒ سنن نسائی۔ مستدرک حاکم اور سنن بیہقی میں بھی ہے۔ اور ان سب میں یزید بن کیسان راوی ہے۔ جو محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہے۔ اس کے متعلق کتب اسماء الرجال میں ائمہ حدیث کے جو جرحی اقوال ہیں۔ ان کو ہم یکجا لکھ دیتے ہیں۔ پھر ناظرین غور کر لیں۔ کہ آیا ایسے شخص کی روایت

سے سید الثقلین ؐ کی والدہ مکرمہ کی نسبت ہم یہ اعتقاد رکھ سکتے ہیں۔
کہ معاذاللہ ان کی بخشش نہیں ہوتی، یا نہ ہوگی۔

صالح وسط لیس[1] ھو ممن یعتمد علیہ لا یحتج بہ بعض
ما یأتی بہ صحیح وبعض لا لیس بالحافظ عندھم۔ کان یخطئ
ویخالف[1]

دوسری روایت، اسی مضمون کی حضرت بریدہ صحابی رضؓ کی ہے۔ جو
امام حاکم نے مستدرک میں ابوشعیب عبداللہ بن حسن حرانی کے واسطے
سے روایت کی ہے۔

اس ابوشعیب کی بابت "لسان المیزان" میں ہے۔ ذکرہ ابن حبان
فی الثقات وقال یخطئ ویھم[2] کیا آپ ایسے خطاب کرنے والے اور
وہمی راوی کی روایت کے اعتبار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید
المرسلین کی والدہ معظمہ کو خدا کی بخشش سے محروم سمجھیں گے جن کی
نسبت سوائے نیکی کے دیگر کوئی ذکر منقول نہیں ہے، بلکہ ان
کے مجمل ایمان بالتوحید کی شہادتیں کثرت سے منقول ہیں۔ جیسا کہ امام
سیوطی رح نے مسالک الحنفاء وغیرہ رسائل میں مفصل ذکر کی ہیں۔

دوم :- یہ کہ آنحضرت ؐ سے پہلے زمانۂ فترت میں صرف اجمالی ایمان
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کافی تھا ایمان کی تفصیلات تو نبوت کے بعد بتلائی گئیں
چنانچہ حق تعالیٰ آنحضرت ؐ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ مَا كُنْتَ

---

[1] یہ انتخاب تہذیب التہذیب میزان الاعتدال اور خلاصہ سے کیا گیا ہے ۱۲ منہ

[2] لسان المیزان مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۲۷۱ ج ۳۔ ۱۲ منہ ؕ

تدری ما الکتٰبُ وَ لَا الِاْیمَانُ (شوریٰ پ ۲۵) اس جگہ صرف تفصیلات ایمان سے واقف ہونے کی نفی ہے۔ مطلق اور اجمالی ایمان کی نفی نہیں، پس جب تک آنحضرتؐ کے والدین کے متعلق صحیح نقل سے شرک ثابت نہ ہو، تب تک آپ کے لیے ان کو مشرک کہنے کی کوئی راہ نہیں اور کافر تو آپ کسی صورت میں بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ زمانۂ فترت میں فوت ہو گئے ہیں۔ اور ان کو دعوت نہیں پہنچی۔ کفر کا فتوےٰ دعوت کے بعد عائد ہوتا ہے نہ قبل۔

خلاصۂ مطلب یہ کہ یزید بن کیسان، حماد بن سلمہ اور ابو شعیبؒ عبد اللہ بن حسن کی نسبت یہ کہنا کہ انہوں نے خطا کی یا ان کو وہم پیش آگیا۔ یا ان کو ٹھیک یاد نہ رہا آسان ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ معاذ اللہ سید الثقلین کے ماں باپ (میرے ماں باپ ان پر سے قربان ہوں) ایمان پر نہیں تھے یا کفر پر فوت ہوئے۔ یا معاذ اللہ ان کی بخشش نہیں ہوگی، آسان نہیں ہے، جیسا کہ حضرت صدیقہؓ کے معاملہ میں خداوند جل شانہ نے فرمایا ہے تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ؕ

اپنے موضوع پر لاجواب کتاب

درِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری

یہ عالمِ اسلام کے نامور مُحدِّث و محقق ڈاکٹر مُحمّد علوی مالکی کی عظیم کتاب "شفاء الفواد بزیارة خیر العباد" کا اردو ترجمہ ہے جس میں انہوں نے بارگاہِ نبوی میں حاضری کے بارے میں کتاب و سُنّت سے دلائل فراہم کرنے کے علاوہ آج تک وارد شدہ اعتراضات کا شافی جواب دیا ہے خصوصاً اس موضوع سے متعلقہ احادیث کے مَتن وسَند پر جرح و قدح کا جو تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے وہ اسی کتاب کا حصّہ ہے!

مترجم مُفتی مُحمّد خان قادری
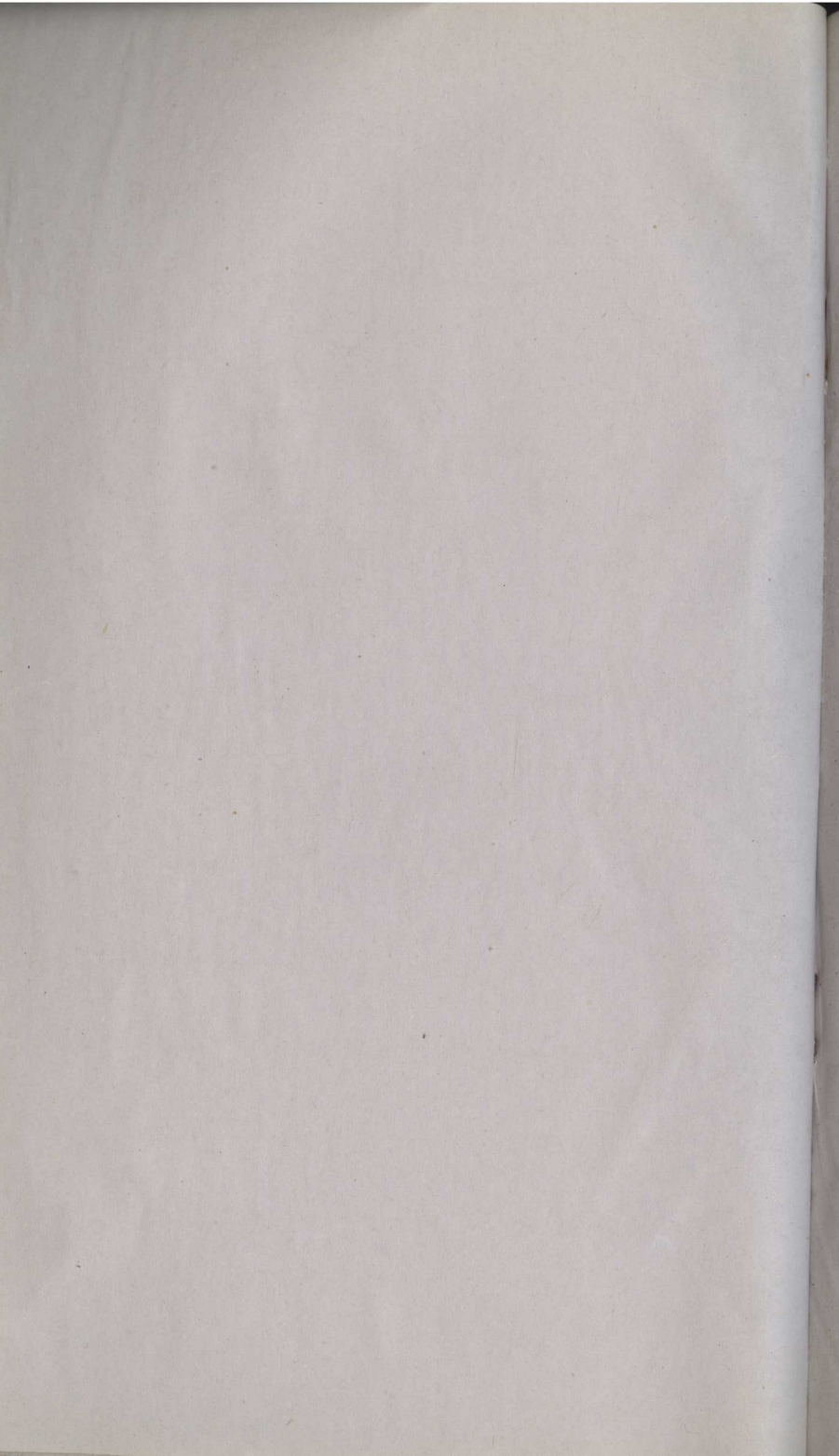
اللہ تعالیٰ سے تعلقِ بندگی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلقِ غلامی مستحکم بنانے کیلئے امیر عالمی دعوتِ اسلامیہ کی دیگر علمی و تحقیقی کتب

۱۔ شاہکار ربوبیت
۲۔ ایمان والدین مصطفیٰ ؑ
۳۔ حضور ؑ کا سفرحج
۴۔ امتیازات مصطفیٰ
۵۔ در رسول ؐ کی حاضری
۶۔ ذخائر محمدیہ
۷۔ محفل میلاد پر اعتراضات کا علمی محاسبہ
۸۔ فضائل نعلین حضور ؑ
۹۔ شرح سلام رضا
۱۰۔ حبیب خدا سیدہ آمنہ کی گود میں
۱۱۔ نور خدا سیدہ حلیمہ کے گھر
۱۲۔ نماز میں خشوع و خضوع کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟
۱۳۔ حضور ؑ نے متعدد نکاح کیوں فرمائے؟
۱۴۔ اسلام اور تحدید ازواج
۱۵۔ اسلام میں چھٹی کا تصور
۱۶۔ مسلک صدیق اکبر ؓ۔ عشق رسول
۱۷۔ شب قدر اور اس کی فضیلت
۱۸۔ صحابہ اور تصور رسول ؑ
۱۹۔ مشتاقان جمال نبوی کی کیفیات جذب و مستی
۲۰۔ اسلام اور احترام والدین
۲۱۔ حضور رمضان المبارک کیسے گذارتے؟
۲۲ صحابہ کی وصیتیں
۲۳۔ رفعتِ ذکر نبوی ﷺ
۲۴۔ کیا رسول اللہ نے لوگوں کی اجرت پر بکریاں چرائیں؟
۲۵۔ حضور کی رضاعی مائیں
۲۶۔ ترک روزہ پر شرعی وعیدیں
۲۷۔ عورت کی امامت کا مسئلہ
۲۸۔ عورت کی کتابت کا مسئلہ
۲۹۔ منہاج النحو
۳۰۔ منہاج المنطق
۳۱۔ معارف الاحکام
۳۲۔ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم
۳۳۔ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ششم
۳۴۔ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم
۳۵۔ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم
۳۶۔ ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم
۳۷۔ ترجمہ اشعت اللمعات ۔ جلد ششم
۳۸۔ صحابہ اور محافل نعت
۳۹۔ صحابہ کے معمولات
۴۰۔ خواب کی شرعی حیثیت
۴۱۔ مزاحِ نبوی ﷺ
۴۲۔ تبسمِ نبوی ﷺ
۴۳۔ گریہ نبوی ﷺ
۴۴۔ مجلسِ نبوی ﷺ
۴۵۔ فضائل و برکات زمزم
۴۶۔ اللہ اللہ حضور ﷺ کی باتیں
۴۷۔ جسم نبوی ﷺ کی خوشبو
۴۸۔ کیا سگِ مدینہ کہلوانہ جائز ہے؟
۴۹۔ ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی ؑ
۵۰۔ مقصد اعتکاف
۵۱۔ سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی ؑ
۵۲۔ صحابہ اور بوسہ جسم نبوی ؑ
۵۳۔ رسول اللہ کے کسی عمل کو ترک فرمانے کی حکمتیں (مسئلہ ترک)
۵۴۔ محبت و اطاعت رسول ﷺ
۵۵۔ آنکھوں میں بس گیا سراپا حضور ؑ